تدبرِ قرآن

۴

النسآء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

د۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ اپنی سابق سورہ — آلِ عمران — کے بعد اس طرح شروع ہو گئی ہے کہ اس کے ابتدائی الفاظ ہی سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ یہ آلِ عمران کا تکملہ و تتمہ ہے۔ آلِ عمران کی آخری اور نساء کی پہلی آیت پڑھیے تو معلوم ہو گا کہ جس اہم مضمون پر آلِ عمران ختم ہوئی ہے اسی مضمون سے سورۂ نساء کی تمہید استوار ہوئی ہے۔ گویا آلِ عمران کے خاتمے اور نساء کے آغاز نے ایک حلقۂ اتصال کی صورت اختیار کر لی ہے۔ آلِ عمران کی آخری آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ہے جس میں مسلمانوں کو فوز و فلاح کی راہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ انفرادی و اجتماعی حیثیت سے ثابت قدمی دکھائیں، آپس میں جڑے، دشمن کے مقابل میں ڈٹے اور خدا سے ڈرتے رہیں۔ اب اس سورہ کو دیکھیے تو اسی 'اِتَّقُوا اللّٰهَ' کے مضمون سے شروع ہو گئی ہے۔ (یا یہا الناس اتقوا ربکم) اور آگے آپس میں جڑے رہنے اور مخالفین کے بالمقابل ثابت قدمی کے لئے جو باتیں ضروری ہیں وہ نہایت وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔[1]

ثابت قدمی، بالخصوص اجتماعی ثابت قدمی بغیر مضبوط جماعتی اتصال کے ممکن نہیں ہے اور جماعتی اتصال کوئی اتفاق سے پیدا ہو جانے والی چیز نہیں ہے بلکہ یہ بنیاد کا بھی محتاج ہے، مثبت تدابیر کا بھی متقاضی ہے اور اس کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنے کی بھی ضرورت ہے جو اس کو درہم برہم کر سکتے ہوں۔ چنانچہ اس سورہ میں وہ ساری چیزیں بیان ہوئیں جو اسلامی معاشرہ اور اس کے فطری نتیجہ اسلامی حکومت کو مستحکم رکھنے اور اس کو انتشار سے بچانے کے لئے ضروری ہیں۔

اس سورہ کے مطالب پر ایک سرسری نظر بھی ڈالئے تو معلوم ہو گا کہ اس کا آغاز اس حقیقت کے اظہار

---

[1] سابق اور لاحق سورہ میں ربط کی یہ صورت صرف انہی دو سورتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس کی متعدد نہایت بلیغ مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں جو اپنے مواقع پر بیان ہوں گی۔

سے ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ اس عقیدے پر قائم ہے کہ مرد اور عورت سب کا خالق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے، اُسی نے سب کو ایک آدم و حوا سے وجود بخشا ہے۔ اس وجہ سے خدا اور رحم سب کے درمیان مشترک ہیں۔ اس کے بعد معاشرے کے سب سے زیادہ کمزور عناصر یتیموں اور عورتوں کے حقوق معین فرمائے ہیں اور ان کو ادا کرنے پر زور دیا ہے۔ پھر اسی تعلق سے وراثت کی تقسیم سے متعلق قانون کی وضاحت فرمائی ہے۔ پھر مسلمانوں کے باہمی حقوق و فرائض پر زور دیتے ہوئے اللہ، رسول اور اولوالامر کی اطاعت پر سب کو مجتمع و متفق رہنے کی تاکید فرمائی، اس لئے کہ اسی چیز پر اسلامی حکومت کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد تفصیل کے ساتھ منافقین کی قلعی کھولی ہے جو اسلامی معاشرے کے اندر ناسور کی حیثیت رکھتے تھے اور مسلمانوں کے اندر ان کے دشمنوں ــــ یہود و نصاریٰ ــــ کے ایجنٹ کے طور پر کام کر رہے تھے۔ اس روشنی میں غور کیجئے تو اس سورہ میں گویا اس ارتباط باہمی کی بنیادیں استوار کی گئی ہیں جس کی ہدایت پر سابق سورہ ختم ہوئی تھی۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

یہ سورہ کے عمود اور سابق سورہ کے ساتھ اس کے تعلق کی طرف ایک اجمالی اشارہ تھا۔ اب ہم اس کے مطالب کا تجزیہ بھی کئے دیتے ہیں تاکہ پوری سورہ کے مضامین پر ایک سرسری نگاہ پڑ جائے۔

(۱-۶) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی ہدایت جس نے سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا، تمام مرد اور تمام عورتیں ایک ہی آدمؑ و حوا کی اولاد ہیں اس وجہ سے خدا اور رشتۂ رحم سب کے درمیان مشترک ہے۔ اس کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ سب خدا سے ڈرتے رہیں اور سب رشتۂ رحم کا احترام ملحوظ رکھیں۔ انہی دو بنیادوں پر اسلامی معاشرہ کی عمارت قائم ہے۔

یتیموں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید اور اس بات کی ممانعت کہ زور آور سرپرست اپنے رشتہ دار یتیموں کے اچھے مال اپنے بُرے مال سے بدلنے یا اپنے مال کے ساتھ ملا کر اس کو ہڑپ کرنے کی تدبیریں کریں۔ یتیموں کے حقوق کے تحفظ کے نقطۂ نظر سے ان کی ماؤں سے نکاح کی اجازت اور اس کے لئے چار تک کی قید، عدل اور ادائے مہر کے شرائط کے ساتھ تعدد ازواج کی رخصت۔

سرپرستوں کو اس بات کی ہدایت کہ وہ اس وقت تک یتیموں کے مال و جائداد اُن کے حوالہ نہ کریں جب تک اُن کے اندر معاملات کی سُوجھ بُوجھ نہ پیدا ہو جائے لیکن اس دوران میں ان کی ضروریات اور ان کی دلداری کا پورا خیال رکھیں۔ جب اُن میں معاملات کی سُوجھ بُوجھ پیدا ہو جائے تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دیا جائے۔ اس تولیت کے دوران میں اگر کوئی سرپرست غریب ہو تو یتیم کے مال میں سے بقدر کفاف لے سکتا ہے لیکن اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یتیم کے بڑے ہو جانے کے اندیشے سے اس کے

بڑے ہونے سے پہلے ہی اس کی ساری املاک وجائداد ٹھکانے لگا دینے کی کوشش کرے۔

(۷-۱۴) تقسیم وراثت کے ضابطے کی تفصیل تاکہ ضعیف وقوی سب کے حقوق معیّن ہو جائیں اور معاشرے میں ظلم و حق تلفی اور نزاع و مخاصمت کے دروازے بند ہو جائیں۔

(۱۵-۱۸) معاشرے کو فواحش سے پاک رکھنے کے لئے ایک ابتدائی حکم اور اس کے تعلق سے اس امر کی وضاحت کہ کن لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے، کن کی نہیں؟

(۱۹-۲۱) اس امر کا بیان کہ عورت مالِ وراثت نہیں ہے کہ باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملے عورتوں سے اپنا دیا ہوا مال واپس لینے کے لئے ان کو تنگ نہ کیا جائے۔ اگر کوئی شخص ایک عورت کو چھوڑنا اور دوسری سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو محض مال اینٹھنے کے لئے پہلی کو تہمت اور بہتان کا ہدف نہ بنائے۔

(۲۲-۲۵) باپ کی منکوحہ کے ساتھ بیٹے کو نکاح کی ممانعت اور ان عورتوں کی تفصیل جن کے ساتھ نکاح ناجائز ہے۔ نیز شرائط نکاح کا بیان تاکہ معاشرہ بدکاری و بے حیائی اور ظلم و زیادتی کے مفاسد سے پاک رہے۔ جو لوگ اس وقت آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے تھے ان کو مسلمان لونڈیوں سے بعض شرائط کے ساتھ نکاح کی اجازت اور قیدِ نکاح میں آجانے کے بعد اگر ان لونڈیوں سے بدکاری کا صدور ہو تو ان کے لئے تعزیر کا ضابطہ۔

(۲۶-۲۸) مسلمانوں کو آگاہی کہ اللہ تعالیٰ ان احکام و ہدایات کے ذریعے سے تمہاری رہنمائی ایمان، عمل صالح اور توبہ و اصلاح کی اس شاہ راہ کی طرف فرما رہا ہے جو اس نے ہمیشہ سے اپنے صالح بندوں کے لئے پسند فرمائی ہے۔ ان احکام و ہدایات میں اس نے وہ سہولت بھی ملحوظ رکھی ہے جو لوگوں کی طبعی کمزوری کے پیشِ نظر ضروری تھی تو خبردار ان نفس پرستوں کے ورغلانے میں نہ آجانا جو تمہیں پاکیزگی کی اس شاہ راہ سے ہٹا کر شہوات کی وادیوں میں بھٹکا دینے کے لئے اپنا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔

(۲۹-۳۱) مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مال ناجائز ذرائع سے کھانے اور ایک دوسرے کا خون بہانے کی ممانعت۔ خدا رحیم ہے اس وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحیم ہوں۔ جو لوگ معاشرے میں ظلم و عدوان کی تخم ریزی کریں گے وہ سب جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ البتہ جو لوگ بڑے گناہوں سے بچتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کے چھوٹے گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔

(۳۲-۳۳) شریعت میں عورت اور مرد دونوں کے لئے جو حدود و حقوق معیّن کر دیئے گئے ہیں سب ان کے اندر رہیں۔ اپنے اپنے حدود کے اندر ہر ایک خدا کے ہاں اپنی محنت کا اجر پائے گا۔ اس لئے ایک دوسرے کی ریس اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ خدا نے حقوق بھی معین فرما دیئے ہیں اور فرائض بھی۔ اور وہ سب کو دیکھ بھی رہا ہے۔

(۳۴-۳۵) خاندان اور معاشرے میں سربراہی اور قوامیت کا مقام مرد کو حاصل ہے۔ اپنی خلقی صفات

اور کفالتی ذمہ داریوں کے لحاظ سے وہی اس کے لئے موزوں ہے۔ نیک بیبیاں اس حق کا احترام کرتی ہیں۔ جن عورتوں سے سرکشی کا اندیشہ ہو ان کو ان کے شوہر نصیحت کریں اور اگر ضرورت محسوس کریں تو ایک حد مناسب تک ان کو تنبیہ بھی کر سکتے ہیں اور اگر محسوس ہو کہ فریقین کے اختلاف کی نوعیت کچھ زیادہ شدید ہے تو اس کے لئے یہ تدبیر اختیار کی جائے کہ میاں اور بیوی دونوں کے خاندانوں سے ایک ایک پنچ مقرر کر دیا جائے، جو حالات کی اصلاح کی کوشش کریں۔

(۳۶ - ۴۰) خدا، والدین، اقربا، یتامیٰ، مساکین، پڑوسی (عام اس سے کہ قرابت مند ہو یا غیر قرابت مند، مستقل ہو یا عارضی اور وقتی) مسافر اور غلام، سب کے حقوق پہچاننے اور ادا کرنے کی تاکید۔ خدا کو وہی بندے پسند ہیں جو متواضع اور نرم مزاج ہوں، وہ اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اکڑنے والے، فخر کرنے والے، بخیل اور بخل کا مشورہ دینے والے ہوں، جو اول تو اپنے حقوق میں خرچ ہی نہ کریں اور اگر کریں تو محض ریا و نمائش کے لئے۔ ادائے حقوق اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے گھاٹے میں رہنے والے نہیں۔ ان کے لئے خدا کے ہاں بڑا اجر ہے۔

(۴۱ - ۴۲) ان لوگوں کے حال پر اظہار افسوس جو آخرت سے بالکل بے پروا ہو کر اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی پر اٹھے ہوئے تھے، ایمان و عمل صالح کی صحیح راہ خود اختیار کرتے تھے نہ دوسروں کو اختیار کرنے دینا چاہتے تھے۔

(۴۳ - ۴۵) خدا کے سب سے بڑے حق — نماز — کے بعض آداب و شرائط اور اس کے بعض مفسدات کا بیان اور ان مفسدات کے ازالہ کی تدبیر۔

(۴۶ - ۴۷) یہود کی بعض شرارتوں کا حوالہ جو وہ اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی نگاہوں سے گرانے کے لئے کر رہے تھے اور اس شرارت کے آخری نتائج سامنے آنے سے پہلے ان کو توبہ اور اصلاح کی دعوت۔

(۴۸ - ۵۷) یہود اپنی پاکی و برتری کے جھوٹے دعوے کر کے مسلمانوں کو گرانے کی جو کوشش کر رہے تھے، یہاں تک کہ مشرکین کو بھی ان پر ترجیح دیتے تھے، اُس کی تردید کہ یہ ساری باتیں محض ان کے حسد کا نتیجہ ہیں لیکن ان کے حسد کے علی الرغم اللہ تعالیٰ نے نبی خاتمؐ اور ان کی امت کے لئے یہ فیصلہ فرما لیا ہے کہ وہ ان کو کتاب و حکمت اور ایک عظیم حکومت عطا فرمائے گا اور یہ حاسد یہود ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ یہ حکومت گویا اسلامی معاشرے کا قدرتی ثمرہ ہے۔

(۵۸ - ۵۹) مسلمانوں کو اس بات کی نصیحت کہ اب اہل کتاب سے چھین کر شریعت الٰہی کی یہ امانت تمہارے سپرد جو کی جا رہی ہے تو تم یہود کی طرح اس امانت میں خیانت کرنے والے نہ بن جانا بلکہ اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والے بننا اور ہر حال میں عدل پر قائم رہنا۔ نیز اللہ اور رسول اور اپنے

اولوالامر کی اطاعت کرتے رہنا، اس کے بغیر اس امانت کی ذمہ داریاں ادا نہیں ہوسکتیں اور اگر کسی امر میں اختلاف واقع ہو تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو اللہ و رسول ہی کی طرف لوٹانا تاکہ اس نزاع کا صحیح فیصلہ ہوسکے اور وہ تمھارے شیرازے کو درہم برہم نہ کرنے پائے۔

(۶۰-۷۰) منافقین کو ملامت کہ وہ اللہ اور رسول کی اطاعت پر مجتمع ہونے کے بجائے اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے میل جول رکھتے ہیں اور اس کو بڑی دانشمندانہ سیاست سمجھتے ہیں حالانکہ اس وقت تک ان کا ایمان ہی معتبر نہیں ہے جب تک وہ پورے طور پر اپنے آپ کو پیغمبر کے حوالہ نہ کردیں اور ہر معاملے میں اُن کی اطاعت نہ کریں۔

(۷۱-۷۶) مسلمانوں کو اپنی مدافعت، اور دارالکفر میں گھرے ہوئے مظلوم مسلمانوں کی آزادی کے لئے جہاد کی تاکید۔ ان منافقین کو ملامت جو جہاد سے جی چراتے تھے، مسلمانوں کی ہمتیں پست کرتے تھے، مال غنیمت میں حصہ داری کے تو متمنی و مدعی تھے لیکن خطرہ کوئی بھی مول لینے کے لئے تیار نہ تھے۔

(۷۷-۸۰) منافقین کی اس متضاد روش پر ملامت کہ جب تک جہاد کا حکم نہیں ہوا تھا اس وقت تک تو وہ اپنی منافقت پر پردہ ڈالنے کے لئے جہاد کے لئے بڑی بے قراری کا اظہار کرتے تھے لیکن اب کہ جہاد کا حکم دے دیا گیا تو جس طرح خدا سے ڈرنا چاہیئے، اس طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اسلام کے دشمنوں سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ موت سے کہیں بھی مفر نہیں۔ ان کی کج فہمی کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو اس کو تو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن اگر کوئی ابتلا پیش آجائے تو اس کو پیغمبر کی بے تدبیری کا نتیجہ قرار دیتے ہیں حالانکہ خیر و شر سب خدا ہی کی طرف سے ہے البتہ شر جو پیش آتا ہے تو اُن کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ جو تمھاری اطاعت کریں وہی درحقیقت خدا کی اطاعت کرنے والے ہیں، جو تمھاری اطاعت سے گریز اختیار کریں ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرو۔ تم پر ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔

(۸۱-۸۵) منافقین کی روش کی مزید تفصیل کہ جب پیغمبر کے سامنے ہوتے ہیں تب تو ان کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرتے ہیں لیکن جب وہاں سے ہٹتے ہیں تو ہر بات میں مین میکھ نکالنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ پیغمبر جو کچھ بھی کہتے ہیں سب خدا ہی کی طرف سے ہے۔ قرآن کی کامل ہم آہنگی شاہد ہے کہ اس میں کوئی چیز بھی غیر اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

پھر منافقین کی اس شرارت کی طرف اشارہ کہ اگر ان کو امن یا خطرے کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو سنسنی پیدا کرنے کے لئے اس کو فوراً پھیلا دیتے ہیں حالانکہ صحیح روش یہ ہے کہ اس کو رسولؐ اور ارباب حل و عقد کے سامنے پیش کرتے تاکہ وہ اس پر غور کرکے اس کے تدارک کے لیے صحیح قدم اٹھاتے لیکن یہ مسلمانوں کے دل بٹھانے کے لئے یہ شرارت کرتے ہیں۔ انھیں یاد رکھنا چاہیئے

کہ جو کسی حق کی تائید میں کوئی کلمۂ خیر کہے گا تو اس کو اس میں سے حصّہ ملے گا اور جو کسی حق کی مخالفت میں کلمۂ شر زبان سے نکالے گا تو اس کو اس میں سے حصّہ ملے گا۔

(۸۶ - ۸۷) منافقین کی مذکورہ بالا روش کے باوجود مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ معاشرہ کے اندر ان کو نکو بنانے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ ظاہری سلوک ان کے ساتھ وہی رکھا جائے جو مسلمانوں کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ یعنی اُن کے ساتھ سلام کلام باقی رکھا جائے۔

(۸۸ - ۹۱) جو منافقین دارالکفر میں پڑے ہوئے ہیں اور جن کی ساری ہمدردیاں کفار کے ساتھ ہیں، دارالاسلام کے مسلمانوں کو ان کے ساتھ اس وقت تک دوستی وحمایت کا تعلق پیدا نہیں کرنا چاہیئے جب تک وہ دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کر آئیں۔ اگر وہ ہجرت نہ کریں تو ان کے ساتھ بھی اسی طرح جنگ جائز ہے جس طرح دشمن کے ساتھ۔ اس سے صرف وُہ مستثنیٰ ہوں گے جن کا تعلق یا تو کسی ایسی قوم سے ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے یا جن کے متعلق یہ علم ہے کہ یہ اپنی کمزوری کی وجہ سے نہ تو اپنی قوم کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنا چاہتے، نہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑنے کی ہمت رکھتے۔ مگر جن کے متعلق معلوم ہے کہ ان کے اوپر خود ان کی قوم کا یا دوسرے کفار کا دباؤ پڑ جائے گا تو وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے تو وہ دُشمن ہی کے حکم میں ہیں۔ ان سے جنگ جائز ہے۔

(۹۲ - ۹۴) دارالحرب میں پڑے ہوئے مسلمانوں) کے جان ومال کے احترام سے متعلق بعض احکام۔

(۹۵ - ۱۰۰) دارالحرب کے مسلمانوں کو ہجرت اور جہاد کی تاکید تاکہ وہ کفر کے ماحول سے نکل کر اسلامی معاشرہ میں آئیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اسلام اور مسلمانوں کو قوت بہم پہنچائیں۔

(۱۰۱ - ۱۰۴) جہاد کے لئے ہر وقت مستعد رہنے کے حکم کے تعلق سے خطرے کی حالت میں نماز کا طریقہ۔

(۱۰۵ - ۱۲۶) ان مسلمانوں کو تنبیہ جو کھلے ہوئے منافقین کے معاملے میں بھی مداہنت برتتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ان کی طرف سے مدافعت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ فرمایا کہ پیغمبرؐ کے خلاف منافقین کی سرگوشیاں اور سرگرمیاں اور اسلام کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرنے کی کوشش کوئی معمولی جُرم نہیں ہے۔ یہ چیز اپنی فطرت کے لحاظ سے شرک ہے اور شرک کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف فرمانے والا نہیں ہے۔ خدا کے ہاں جھوٹی آرزوئیں کام آنے والی نہیں ہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح کام آنے والا ہے۔

(۱۲۷ - ۱۳۰) ابتدائے سورہ میں جو احکام یتیموں، ان کی ماؤں اور عورتوں سے متعلق بیان ہوئے

ان کے متعلق بعد میں پیدا ہونے والے بعض سوالوں کے جواب۔

(۱۳۱-۱۴۷) مسلمانوں کو پوری سختی کے ساتھ اس بات کی تاکید کہ جو کچھ حکم دیا جا رہا ہے اس پر بے چون وچرا عمل کرو، اس سے گریز وفرار کی راہیں نہ اختیار کرو اور منافقین کی کفر دوستی سے پوری شدت کے ساتھ اظہار بیزاری اور یہ تنبیہ کہ منافقین اور کفار دونوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

(۱۴۸-۱۴۹) مسلمانوں کو اس بات کی نصیحت کہ ہرچند منافقین ہر ملامت کے سزاوار ہیں لیکن بے ضرورت بدزبانی وسخت کلامی ان کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

(۱۵۰-۱۶۲) اہل کتاب بالخصوص یہود کو، جو اس مرحلے میں طرح طرح کی سازشوں اور مختلف قسم کے اعتراضات سے مخالفت کے محاذ کو تقویت پہنچا رہے تھے سرزنش اور ان کے اعتراضات کے جواب۔

(۱۶۳-۱۷۵) قرآنی دعوت کے مرتبہ ومقام کی وضاحت اور اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ کو دعوت ونصیحت کہ اس روشنی کی، جو اللہ نے اُتاری ہے، قدر کریں اور اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے نہ پھریں۔

(۱۷۶) ایک آیت مبینہ جو شروع میں بیان کردہ احکام کی وضاحت کے طور پر نازل ہوئی۔

مذکورہ بالا تجزیے پر تدبّر کی نگاہ ڈالئے تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ آیت ۴۰ تک تو معاشرہ سے متعلق احکام وقوانین بیان ہوئے ہیں اور ضمناً کہیں کہیں اس ردّ عمل کی طرف بھی اشارہ ہوگیا ہے جو ان احکام کا مخالفین پر ہوا لیکن آیت ۴۰ کے بعد کلام کا رُخ بالتدریج اسلامی نظام حکومت کی اساسات کی وضاحت اور اسلام کے مخالفین کی طرف مُڑ گیا ہے اور اس رویے پر تفصیل کے ساتھ تنقید کی گئی ہے جو اس نظامِ حق کی مزاحمت کے لئے اہل کتاب اور منافقین نے اختیار کیا۔ منافقین اس میں خاص طور پر زد میں آئے ہیں۔ اس کی وجہ، جیسا کہ ہم نے سورہ کے دیباچہ میں ظاہر کی، یہ ہے کہ معاشرے اور حکومت کے استحکام کے نقطۂ نظر سے اس مارِ آستین گروہ کی بیخ کنی ضروری تھی۔

قرآن مجید کے متعلق یہ بات یاد رکھئے کہ یہ صرف فقہی احکام کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ دعوت کا صحیفہ بھی ہے۔ اس وجہ سے اس کے لئے اس ردِّ عمل سے تعرض ناگزیر ہے جس سے ان احکام کی تعلیم کے دوران میں سابقہ پیش آیا۔ چنانچہ قرآن ہر جگہ ان احکام کے پہلو بہ پہلو ان حالات سے بھی بحث کرتا ہے جو مخالفین نے اس وقت بالواسطہ یا بلاواسطہ پیدا کئے اور ان سے بحث کرنا تعلیم ودعوت کے نقطۂ نظر سے نہایت ضروری ہے۔ لیکن جو لوگ قرآن کی اس خصوصیت سے واقف نہیں ہیں وہ اس بات سے حیران ہوتے ہیں کہ ان فقہی احکام کے ساتھ منافقین ومعاندین کے اس تفصیلی ذکر کا کیا موقع تھا۔

سُورَةُ النِّسَآءِ (۴)

مَدَنِيَّةٌ ———— اٰيَاتُهَا ۱۷۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیت ۱

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ①

ترجمہ آیت ۱

اے لوگو، اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں؛ اور ڈرو اُس اللہ سے جس کے واسطے سے تم باہم گر طالبِ مدد ہوتے ہو اور ڈرو قطع رحم سے۔ بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔ ۱

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیت کی وضاحت

خلق منہا زوجہا کا مفہوم

خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کے معنی ہیں اسی کی جنس سے۔ اگرچہ اس کے معنی لوگوں نے اور بھی لیے ہیں لیکن جس بنیاد پر لیے ہیں وہ نہایت کمزور ہے۔ ہم نے جو معنی لیے ہیں اس کی تائید خود قرآن میں موجود

سورۂ نحل میں فرمایا ہے وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (۷۲) ظاہر ہے کہ اس کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ اللہ نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں، اس کے یہ معنی کوئی بھی نہیں لے سکتا کہ یہ بیویاں ہر ایک کے اندر سے پیدا ہوئیں۔

'تساءل' کا مفہوم

'تساءل' کے معنی باہمدگر ایک دوسرے سے پوچھنے، سوال کرنے اور مانگنے کے ہیں، اسی سے ترقی کر کے ایک دوسرے سے طالبِ مدد ہونے کے معنی میں بھی یہ استعمال ہوتا ہے۔ سورۂ مومنون میں ہے فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ (جب صور پھونکا جائے گا تو نہ ان کے نسبی تعلقات باقی رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے طلبِ مدد ہی کر سکیں گے) ۱۰۱

'ارحام' کا مفہوم

'ارحام' سے مراد رحمی رشتے ہیں۔ اس کو 'اللہ' پر عطف کر کے اس کی وہ اہمیت واضح فرمائی ہے جو دین میں اس کی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا کے بعد پہلی چیز جو تقویٰ اور احترام کی سزاوار ہے وہ رشتۂ رحم اور اس کے حقوق ہیں۔ خدا سب کا خالق ہے اور رحم سب کے وجود میں آنے کا واسطہ اور ذریعہ ہے اس وجہ سے خدا اور رحم کے حقوق سب پر واجب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بنیاد پر رحم کا یہ درجہ رکھا ہے کہ جو اس کو جوڑتا ہے خدا اس سے جڑتا ہے اور جو اس کو کاٹتا ہے خدا اس سے کٹتا ہے۔ یہ بات ایک حدیثِ قدسی سے بھی ثابت ہے اور یہی بات قرآن سے بھی نکلتی ہے۔

معاشرہ کی تنظیم سے متعلق بنیادی حقائق

زیرِ بحث آیت ایک جامع تمہید ہے ان تمام احکامات و ہدایات کے لیے جو انسانی معاشرہ کی تنظیم کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتارے ہیں اور جو آگے آ رہے ہیں۔ اس تمہید میں جو باتیں بنیادی حقائق کی حیثیت سے واضح کی گئی ہیں ان کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت میں جس تقویٰ کی ہدایت کی گئی ہے اس کا ایک خاص موقع و محل ہے۔ اس تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ یہ خلق آپ سے آپ وجود میں نہیں آگئی ہے بلکہ خدا کی پیدا کی ہوئی ہے جو سب کا خالق بھی ہے اور سب کا رب بھی۔ اس وجہ سے کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو ایک بے مالک اور بے راعی کا ایک آوارہ گلہ سمجھ کر اس میں دھاندلی مچائے اور اس کو اپنے ظلم و تعدی کا نشانہ بنائے بلکہ ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اس کے معاملات میں انصاف اور رحم کی روش اختیار کرے ورنہ یاد رکھے کہ خدا بڑا زور آور اور بڑا منتقم و قہار ہے۔ جو اس کی مخلوق کے معاملات میں دھاندلی مچائیں گے وہ اس کے قہر و غضب سے نہ بچ سکیں گے۔ وہ ہر چیز کی نگرانی کر رہا ہے۔

دوسری یہ کہ تمام نسلِ انسانی ایک ہی آدم کا گھرانا ہے۔ سب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آدمؑ و حوا کی نسل سے پیدا کیا ہے۔ نسلِ آدمؑ ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ اس پہلو سے عربی و عجمی، احمر و اسود اور افریقی و ایشیائی میں کوئی فرق نہیں، سب خدا کی مخلوق اور سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ خدا اور رحم کا رشتہ سب کے درمیان مشترک ہے۔ اس کا فطری تقاضا یہ ہے کہ سب ایک ہی خدا کی بندگی کرنے والے

اور ایک ہی مشترک گھرانے کے افراد کی طرح آپس میں حق و انصاف اور مہر و محبت کے تعلقات رکھنے والے بن کر زندگی بسر کریں۔

تیسری یہ کہ جس طرح آدمؑ تمام نسل انسانی کے باپ ہیں اسی طرح حوا تمام نسل انسانی کی ماں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حوا کو آدمؑ ہی کی جنس سے بنایا ہے اس وجہ سے عورت کوئی ذلیل، حقیر، فرونزاد فطری گنہگار مخلوق نہیں ہے بلکہ وُہ بھی شرف انسانیت میں برابر کی شریک ہے۔ اس کو حقیر و ذلیل مخلوق سمجھ کر نہ اس کو حقوق سے محروم کیا جا سکتا نہ کمزور خیال کر کے اس کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔

چوتھی یہ کہ خدا اور رحم کا واسطہ ہمیشہ سے باہمی تعاون و ہمدردی کا محرک رہا ہے۔ جس کو بھی کسی مشکل یا خطرے سے سابقہ پیش آتا ہے وہ اس میں دوسروں سے خدا اور رحم کا واسطہ دے کر اپیل کرتا ہے اور یہ اپیل چونکہ فطرت پر مبنی ہے اس وجہ سے اکثر حالات میں یہ مؤثر بھی ہوتی ہے۔ لیکن خدا اور رحم کے نام پر حق مانگنے والے اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ جس طرح ان واسطوں پر حق مانگنا حق ہے اسی طرح ان کا حق ادا کرنا بھی فرض ہے۔ جو شخص خدا اور رحم کے نام پر لینے کے لیے تو چوکس ہے لیکن دینے کے لیے آمادہ نہیں ہے وہ خدا سے دھوکا بازی اور رحم سے بے وفائی کا مجرم ہے اور اس جرم کا ارتکاب وہی کر سکتا ہے جس کا دل تقویٰ کی روح سے خالی ہو۔ خدا اور رحم کے حقوق پہچاننے والے جس طرح ان ناموں سے فائدے اٹھاتے ہیں اسی طرح ان کی ذمہ داریاں بھی اٹھاتے ہیں اور درحقیقت حق طلبی و حق شناسی کا یہی توازن ہے جو صحیح اسلامی معاشرے کا اصلی جمال ہے۔ اسی حقیقت کی طرف وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ کا ٹکڑا اشارہ کر رہا ہے۔

۲۔ آگے کا مضمون —— آیات ۲-۱۰

آگے کی آیات میں تقویٰ، عدل، رحم اور رُحم کی انہی بنیادوں پر جن کا ذکر اوپر ہوا، سب سے پہلے یتیموں کے سرپرستوں کو مخاطب کر کے ان کی ذمہ داریاں بتائیں اور اس مشکل فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کے لیے عدل و انصاف کے اندر رہتے ہوئے جو صورتیں ممکن تھیں ان کی طرف رہنمائی فرمائی۔ مثلاً یہ کہ کوئی شخص اگر محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے زیر سرپرستی یتیموں کے مال اور حقوق کی پوری احتیاط کے ساتھ نگرانی اسی صورت میں کر سکتا ہے جب کہ وُہ ان کی ماں کو بھی اپنے ساتھ اس ذمہ داری میں شریک کر لے تو اس مقصد کے لیے وہ تعدد ازدواج کی اجازت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ عدل، چار تک کی قید اور ادائے مہر کے عام قانون کی ان کے باب میں بھی پابندی کرے۔ یہ عذر نہ پیدا کرے کہ چونکہ ان میں سے کسی سے اس نے نکاح کیا ہے تو انہی کی اولاد کی مصلحت سے کیا ہے اس وجہ سے وہ ان کے بارے میں عدل اور مہر وغیرہ کی ذمہ داریوں سے آزاد ہے۔

اس کے بعد بتایا ہے کہ یتیم کا مال کب اس کے حوالے کرنا چاہیئے اور زمانۂ سرپرستی میں ایک نادار یا ایک مالدار سرپرست کو اس مال سے فائدہ اُٹھانے کے معاملے میں کیا روش اختیار کرنی چاہیئے۔

پھر ہدایت فرمائی ہے کہ شریعت میں وارثوں کے حقوق معین ہو جانے کے بعد بھی اگر کسی مُورث کے مال کی تقسیم کے وقت اقربا، یتامیٰ اور مساکین آ جائیں تو گو قانونی طور پر اس میں ان کا حق نہ بنتا ہو تاہم اخلاقی طور پر ان کو اس میں سے کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے اور ان کی دلداری کی جائے۔

آخر میں فرمایا کہ جو لوگ ظلم و زیادتی کر کے یتیموں کا مال ہڑپ کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور بالآخر وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔

اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲-۱۰

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ
وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا
كَبِيْرًا ۝۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا
مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ
خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ
نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ
هَنِيْۗـــًٔا مَّرِيْۗـــًٔا ۝۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ
اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا
لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا
النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ
اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ
وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ

بالمعروف ۚ فاذا دفعتم اليهم اموالهم فاشهدوا عليهم ۚ وكفى بالله حسيبا ﴿۶﴾ للرجال نصيب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه او كثر ۚ نصيبا مفروضا ﴿۷﴾ واذا حضر القسمة اولوا القربى واليتمى والمسكين فارزقوهم منه وقولوا لهم قولا معروفا ﴿۸﴾ وليخش الذين لو تركوا من خلفهم ذرية ضعفا خافوا عليهم فليتقوا الله وليقولوا قولا سديدا ﴿۹﴾ ان الذين ياكلون اموال اليتمى ظلما انما ياكلون في بطونهم نارا ۚ وسيصلون سعيرا ﴿۱۰﴾

ع ۱۰
۱۲

ترجمہ آیات ۲-۱۰

اور یتیموں کے مال ان کے حوالہ کرو، نہ اپنے بُرے مال کو ان کے اچھے مال سے بدلو اور نہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ گڈ مڈ کرکے اس کو ہڑپ کرو بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ ۲

اور اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے معاملے میں انصاف نہ کرسکو گے تو عورتوں میں سے جو تمھارے لیے جائز ہوں ان سے دو دو، تین تین، چار چار تک نکاح کرلو۔ اور اگر ڈر ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی پر بس کرو یا پھر کوئی لونڈی جو تمھاری ملک میں ہو۔ یہ طریقہ اس بات سے زیادہ قریب ہے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو۔ اور ان عورتوں کو ان کے مہر دو مہر کی حیثیت سے

پس اگر وہ اس میں سے تمہارے لیے کچھ چھوڑ دیں اپنی خوشی سے تو تم اس کو کھاؤ کہ وہ تمھیں راس اور سازگار ہے۔ ۳-۴

اور تم وہ مال جس کو خدا نے تمہارے لیے قیام و بقا کا ذریعہ بنایا ہے، نادان یتیموں کے حوالہ نہ کرو۔ ہاں اس سے ان کو فراغت کے ساتھ کھلاؤ، پہناؤ اور دستور کے موافق ان کی دلداری کرتے رہو اور ان یتیموں کو جانچتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں تو اگر تم ان کے اندر سوجھ بوجھ پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو اور اس ڈر سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے اسراف اور جلد بازی کر کے اُن کا مال ہڑپ نہ کرو اور جو غنی ہو اس کو چاہیئے کہ وہ پرہیز کرے اور جو محتاج ہو تو وہ دستور کے مطابق اس سے فائدہ اُٹھائے۔ پھر جب تم ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ ٹھہرالو۔ ویسے اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔ ۵-۶

والدین اور اقربا کے ترکے میں سے مردوں کے لیے بھی ایک حصّہ ہے اور والدین اور اقربا کے ترکے میں سے عورتوں کا بھی ایک حصّہ ہے خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ۔ ایک مقررہ حصّہ۔ اور اگر تقسیم کے وقت قرابت مند، یتیم اور مسکین آموجود ہوں تو اس میں سے ان کو بھی کچھ دو اور ان سے دستور کے مطابق بات کرو۔ ان لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو اپنے پیچھے اگر ناتوان بچے چھوڑتے تو ان کے معاملے میں بہت اندیشہ ناک ہوتے۔ پس انھیں چاہیئے کہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات زبان سے نکالیں۔ ۷-۹

جو لوگ ظلم و ناانصافی سے یتیموں کے مال ہڑپ کر رہے ہیں وہ تو بس اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔ ۱۰

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (۲)

آیت ۲ کا خطاب یتیموں کے سرپرستوں سے ہے

اس آیت میں خطاب یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں سے ہے اور اوپر والی آیت، پر اس کا عطف، اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں جس بات کا حکم دیا جا رہا ہے یا جس چیز سے روکا جا رہا ہے اس کی بنیاد انھی اصولی حقائق پر ہے جو اوپر مذکور ہوئے۔

خبیث و طیب کا مفہوم

'خبیث' اور 'طیب' کے الفاظ جس طرح ان اشیاء اور ذوات کے لیے استعمال ہوتے ہیں جو اخلاقی و شرعی نقطۂ نظر سے خبیث یا طیب ہوتی ہیں اسی طرح، جیسا کہ بقرہ کی آیت ۲۶۷ کے تحت گزر چکا ہے، ان اشیاء کے لیے بھی ان کا استعمال عربی میں معروف ہے جو مادی اعتبار سے ناقص یا عمدہ ہوتی ہیں۔

'اکل' کے ساتھ 'الی' کا صلہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہاں 'ضَمًّا' یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ محذوف ہے۔

یتیموں کے مال کی حفاظت کے لیے ضروری ہدایات

یتیموں کے بعض سرپرست، جن کے سینے خوفِ خدا سے خالی ہوتے ہیں اوّل تو یتیموں کا سارا حق ہی دبا بیٹھتے ہیں اور اگر دبا نہیں بیٹھتے تو اس میں خورد بُرد کرنے کی نیت سے، انتظامی سہولت کی نمائش کر کے، ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیتے ہیں اور اس طرح اپنے لیے ہاتھ رنگنے کے نہایت آسان مواقع پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کو ہدایت فرمائی کہ یتیموں کا مال یتیموں کو دو۔ خود ہضم کرنے کی کوشش نہ کرو۔ پھر اس مقصد کے لیے جو ہتھکنڈے استعمال ہوتے ہیں ان سے واضح لفظوں میں بھی روک دیا کہ نہ اپنا ناقص مال ان کے اچھے مال سے بدلنے کی تدبیریں کرو اور نہ ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر اس کو خورد برد کرنے کی کوشش کرو۔

اگر کوئی سرپرست انتظامی سہولت کے نقطۂ نظر سے یتیم کا مال اپنے مال کے ساتھ ملانا چاہے تو اس کی اجازت اگرچہ، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۰ کے تحت گزر چکی ہے، شریعت نے دی ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس اختلاط و اشتراک سے مقصود اصلاح ہو نہ کہ افساد۔ بصورت دیگر یتیم کے حق کی حفاظت اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا (۳)

'یتامٰی' کا مفہوم

'یتامٰی' کا لفظ ان نابالغوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کا باپ فوت ہو چکا ہو، عام اس سے کہ وہ نابالغ، لڑکے ہیں یا لڑکیاں۔ صرف نابالغ لڑکیوں کے لیے اس کا استعمال نہ عربی زبان میں معلوم ہے، نہ قرآن مجید اور حدیث میں۔ قرآن میں یہ لفظ کم از کم پندرہ جگہ اسی جمع کی صورت میں

استعمال ہوا ہے لیکن کسی جگہ بھی صرف یتیم بچیوں کے مفہوم میں نہیں استعمال ہوا ہے۔

'مَا طَابَ لَكُمْ' کا مفہوم

'مَا طَابَ لَكُمْ' کے معنی بعض اہلِ تاویل نے 'مَا حَلَّ لَكُمْ' (یعنی جو عورتیں تمہارے لیے جائز ہوں) لیے ہیں۔ یہ مفہوم لفظ کے استعمالات کے مطابق ہے، اگرچہ از روئے لغت و از روئے استعمال اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو راضی ہوں، آگے والی آیت میں 'فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ' کے الفاظ سے اس مفہوم کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ نیز یہ مفہوم بھی اس کا ہو سکتا ہے کہ جن سے تمہاری زندگی میں خوشگواری پیدا ہو۔ یہاں یہ تمام معانی بنتے ہیں لیکن ہم نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موقع و محل سے یہ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

'نساء' سے مراد یتامیٰ کی مائیں ہیں

'نساء' کا لفظ اگرچہ ظاہر میں عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اس سے عام عورتیں مراد نہیں ہیں بلکہ یتیموں کی مائیں مراد ہیں۔ عام بول کر خاص مراد لینا، بشرطیکہ قرینہ موجود ہو، عربی زبان میں بہت معروف ہے۔ قرآن میں اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔ یہ قرینہ چونکہ مضمون کے تدریجی ارتقا سے خود بخود واضح ہو جائے گا اس وجہ سے یہاں اس کے دلائل کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔

مصلحت کے لیے تعددِ ازدواج کی اجازت

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم (مخاطب یتیموں کے اولیاء اور سرپرست ہی ہیں) بر بنائے احتیاط یہ اندیشہ رکھتے ہو کہ تمہارے لیے یتیموں کے مال اور ان کے واجبی حقوق کی کما حقہ نگہداشت ایک مشکل کام ہے، تم تنہا اپنی ذمہ داری پر اس سے بحسن و خوبی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، اگر یتیموں کی ماں بھی اس ذمہ داری میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائے تو تم اس فرض سے عمدہ طریقے پر عہدہ برآ ہو سکتے ہو اس لیے کہ یتیموں کے ساتھ جو قلبی لگاؤ اس کو ہو سکتا ہے، کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا اور ان کے حقوق کی نگہداشت جس بیداری کے ساتھ وہ کر سکتی ہے کسی اور کے لیے ممکن نہیں تو ان میں سے جو تمہارے لیے جائز ہوں ان سے تم نکاح کر لو، بشرطیکہ عورتوں کی تعداد کسی صورت میں چار سے زیادہ نہ ہونے پائے اور تم ان کے درمیان عدل قائم رکھ سکو۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ عدل نہیں قائم رکھ سکو گے تو پھر ایک سے زیادہ نکاح نہ کرو۔ فرمایا کہ یہ طریقہ تمہیں حق و انصاف پر استوار رکھنے کے نقطۂ نظر سے زیادہ صحیح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیویوں کے معاملے میں عدل کی شرط ایک ایسی اٹل شرط ہے کہ یتیموں کے حقوق کی نگہداشت جیسی اہم دینی مصلحت کے پہلو سے بھی اس میں کسی لچک کی شریعت نے گنجائش نہیں رکھی ہے۔

ایک شبے کا ازالہ

یہاں بعض لوگوں کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو گا کہ آیت کی تاویل اگر یہ ہے جو بیان ہوئی تو اس سے تو صاف یہ بات نکلتی ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت مطلق نہیں بلکہ یتیموں کی مصلحت کے ساتھ مقید ہے۔ اس شبے کا جواب یہ ہے کہ یہاں مسئلے کے بیان کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ یتیموں

کی مصلحت کی قید کے ساتھ تعدد ازواج کی اجازت دی گئی ہو اور بصورتِ دیگر یہ ممنوع ہو بلکہ یہ ہے کہ یتامیٰ کی مصلحت کے نقطۂ نظر سے تعدد ازواج کے اس رواج سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی گئی ہے جو عرب میں تھا البتہ اس کو چار تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اگر مقصود تعدد ازواج کو یتیموں کی مصلحت کے ساتھ مقید کرنا ہوتا تو اس کے لیے اسلوبِ بیان اس سے بالکل مختلف ہوتا۔ اس اسلوبِ بیان سے صرف یہ بات نکلتی ہے کہ تعدد ازواج کی مروجہ وقت صورت پر ایک قید عائد کر کے اس سے ایک معاشرتی مصلحت میں فائدہ اٹھانے کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے لیکن معاشرتی مصلحت صرف ایک یتیموں ہی کی مصلحت نہیں ہے بلکہ اور بھی ہو سکتی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس میں اس سے فائدہ اٹھانے کی ممانعت ہو۔

ایک اور شبہے کا جواب

ممکن ہے یہاں ایک اور شبہ بھی بعض لوگوں کو ہو کہ ہم نے یہاں ان لوگوں کے قول کو جنھوں نے 'یتامیٰ' سے یتیم لڑکیوں کو مراد لیا ہے، محض اس دلیل کی بنیاد پر نظر انداز کر دیا ہے کہ اس لفظ کا استعمال صرف لڑکیوں کے لیے معروف نہیں ہے درآنحالیکہ 'نساء' سے ہم نے یتیموں کی ماؤں کو مراد لیا ہے جب کہ اس لفظ کا بھی استعمال اس معنی کے لیے معروف نہیں ہے۔ اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس قول کو صرف اسی بنیاد پر نظر انداز نہیں کیا ہے کہ لغت اور استعمال اس کے حق میں نہیں ہے بلکہ اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ یہ معنی لینے میں آیت کی تاویل صحیح نہیں بنتی۔ کسی شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ ایک یتیم بچی سے نکاح کرے گا تو چونکہ اس کا باپ یا بھائی موجود نہیں ہے اس وجہ سے وہ اس کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا تو اس کو یہ ہدایت ہونی تھی کہ وہ اس وقت تک اس کے ساتھ نکاح کرنے میں توقف کرے جب تک وہ بالغ ہو کر اپنے حقوق و فرائض کو اپنے اختیار و ارادے کے ساتھ سمجھ نہ سکے یا صرف یہ ہدایت ہونی تھی کہ ایسا شخص کسی اور عورت سے نکاح کرے، اس کے ساتھ تعدد ازواج کی اجازت اور اس کے قیود و شرائط کے بیان کے لیے کوئی ضرورت داعی نہیں تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک یتیمہ بالغ ہونے کے بعد بھی باپ بھائی کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے بے بس ہی ہوتی ہے تو یہ ہدایت ہونی تھی کہ ایسی عورتوں سے نکاح کرو جن کے باپ، بھائی زندہ ہوں، اس لیے کہ اس قسم کی بے بسی دوسری عورتوں کو بھی لاحق ہو سکتی ہے اگرچہ ان کو یتیمی کی بے بسی سے سابقہ نہ پیش آیا ہو۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اگر کسی کی نگرانی میں کوئی یتیمہ ہو، وہ اس کی اچھی طرح تعلیم و تربیت کرے اور اس کے بالغ ہونے پر اس کی مرضی سے اُس سے نکاح کرے تو شریعت میں یہ بات ناپسندیدہ نہیں بلکہ پسندیدہ ہے۔

بہرحال ہم نے اس قول کو صرف ایک ہی وجہ کی بنا پر نہیں بلکہ متعدد وجوہ کی بنا پر چھوڑا ہے

اور نساء کے لفظ کی جو تخصیص کی ہے وُہ ان قرائن کی بنا پر ہے جن میں سے بعض اوپر مذکور ہوئے اور بعض آگے آرہے ہیں۔

'مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ' سے مراد لونڈیاں ہیں۔ چونکہ ان کے معاملے میں عدل وغیرہ کی شرط نہیں ہے اس وجہ سے ان کی اجازت دی۔ اس مسئلے کی صحیح نوعیت پر ہم بقرہ میں لکھ چکے ہیں۔ آگے موزوں مقام پر اس پر مزید بحث کریں گے۔

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا (۴)

'نِحْلَة' کا مفہوم

اس آیت میں بھی 'نساء' سے مراد یتیموں کی مائیں ہی ہیں۔ 'نحلہ' کے معنی کسی کو کچھ دینے کے ہیں اور جب عورت کے تعلق سے یہ لفظ استعمال ہو تو اس کے معنی مہر ادا کرنے کے ہوتے ہیں۔ 'نحلۃ' یہاں فعل کی تاکید کے لیے ہے یعنی ان کو اس طرح مہر دو جو مہر دینے کا طریقہ ہے۔ اس تاکید کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ جب ان کے ساتھ نکاح ان کے بچوں کی مصلحت کے پہلو سے کیا گیا ہے تو ایک شخص خیال کر سکتا ہے کہ اس صورت میں مہر وغیرہ کی پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔ فرمایا کہ نہیں، جس طرح عدل شرط ہے اسی طرح مہر کی ادائیگی بھی شرط ہے اور یہ مہر، مہر کی طرح ادا ہونا چاہیئے صرف چھدا اتارنے کی کوشش نہیں ہونی چاہیئے۔

مہر کی ادائیگی کی شرط

'فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ' میں حرف 'عن' دستبرداری کے مفہوم کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی وُہ اپنی خوشی سے اگر اپنے مہر کا کوئی حصہ معاف کر دیں تو تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو، یہ تمہارے لیے رچنے پچنے والی چیز ہو سکتی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (۵)

'سُفَهَاء' سے مراد نادان یتامٰی ہیں

'سُفَهَاء' سے مراد وہی یتامٰی ہیں جن کا ذکر چل رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حکم جو تمہیں دیا گیا ہے کہ یتیموں کا مال ان کو دو تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اگر وُہ بالکل نادان و ناسمجھ ہوں جب بھی جو کچھ اُن کا ہے ان کے حوالہ کر دو۔ مال کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قیام و بقا کا ذریعہ بنایا ہے اس وجہ سے اس کے اندر انفرادی حق کے ساتھ خاندانی اور اجتماعی بہبود کا بھی ایک پہلو ہے۔ اس پہلو سے اس کی بربادی میں ایک ہی کا نقصان نہیں ہے بلکہ پورے خاندان اور بالآخر پورے معاشرے کا نقصان ہے۔ یہ چیز مقتضی ہے کہ کوئی ایسی شکل اختیار نہ کی جائے جو کسی مال کی بربادی کا باعث ہو۔ اگر یتیم ابھی نادان اور ناسمجھ ہے تو سرپرست کا فرض ہے کہ وُہ اس کا مال اپنی حفاظت و نگرانی میں رکھے البتہ اس کو کھلائے پہنائے اور اس کی دلداری کرتا رہے تاکہ اس کو اطمینان رہے کہ یہ نگرانی اسی کے فائدے کے لیے ہے۔ ذمہ داری سنبھالنے کے قابل ہو جانے کے بعد اس کی ہر چیز اسی کو ملنی ہے۔

مال کے اندر انفرادی اور اجتماعی بہبود کے پہلو

'وَارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا' میں 'فِيْهَا' کے لفظ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ یتیموں کی ضروریات پوری کرنے میں سرپرستوں کو کشادہ دلی سے کام لینا چاہیے۔ خسیس اور مکھی چوس سرپرستوں کا سا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ عربی میں جب کہیں گے کہ 'ارزقوھم فیھا' تو اس کے معنی ہوں گے ان کو فراخی سے کھلاؤ پہناؤ اور اگر کہیں 'وارزقوھم منھا' جیسا کہ آگے آیت ۸ میں آرہا ہے، تو اس کے معنی ہوں گے ان کو اس میں سے کچھ دے دلا دو۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ج فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ج وَلَا تَأْكُلُوْهَا إِسْرَافًا وَّبِدَارًا أَنْ يَّكْبَرُوْا ط وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ج وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (۶)

یتیموں کا مال کب ان کے حوالے کیا جائے

یہ وہ طریقہ بتایا ہے جو یتیموں کا مال ان کے حوالے کرنے کے معاملے میں سرپرستوں کو اختیار کرنا چاہیے۔ فرمایا کہ یتیموں کو جانچتے رہو یعنی کوئی چھوٹی موٹی ذمہ داری ان کے سپرد کر کے ان کی صلاحیت کا امتحان کرتے رہو کہ معاملات کی سوجھ بوجھ اُن کے اندر پیدا ہو رہی ہے یا نہیں۔ نکاح کی عمر، یعنی بلوغ تک، ان کے ساتھ یہی معاملہ رکھنا چاہیے۔ جب بالغ ہو جائیں تو اس وقت اگر یہ محسوس ہو کہ ان کے اندر اب اپنی ذمہ داریوں کے اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے تو ان کا مال ان کے سپرد کر دینا چاہیے۔

جنسی بلوغ عقلی بلوغ کو متلزم نہیں ہے

آیت میں اس بات کا اشارہ صاف موجود ہے کہ جنسی بلوغ ہر حال میں عقلی بلوغ کو متلزم نہیں ہے۔ ایسے بھی کتنے بالغ ہو سکتے ہیں جو بالغ ہو جانے کو تو ہو جاتے ہیں لیکن ناک لگی ہی رہ جاتی ہے اس لیے الھڑ اور بالغ نادانوں کے معاملے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس چیز کو ان کے مال پر قابض رہنے کا بہانہ نہیں بنانا چاہیے بلکہ جو کچھ کرنا چاہیے ان کی بہبود پیش نظر رکھ کر کرنا چاہیے۔

غریب سرپرست کو یتیم کے مال سے معروف کے مطابق فائدہ اٹھانے کی اجازت

سرپرست اگر مستغنی آدمی ہو تو اُس کو یتیم کے مال میں سے کچھ لینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر غریب ہو تو دستور کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ دستور کے مطابق سے مراد یہ ہے کہ ذمہ داریوں کی نوعیت، جائداد کی حیثیت، مقامی حالات اور سرپرست کے معیارِ زندگی کے اعتبار سے وہ فائدہ اٹھانا جو معقولیت کے حدود کے اندر ہو، یہ نوعیت نہ ہو کہ ہر معقول آدمی پر یہ اثر پڑے کہ یتیم کے بالغ ہو جانے کے اندیشے سے اسراف اور جلد بازی کر کے یتیم کی جائداد ہضم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مال کی حوالگی کے وقت گواہ مقرر کرنے کی ہدایت

آخر میں یہ ہدایت ہوئی کہ یتیم کا مال جب اُس کے حوالے کرنے لگو تو اس پر کچھ ثقہ اور معتبر لوگوں کو گواہ بھی بنا لو تاکہ کسی سوئے ظن اور نزاع کا احتمال باقی نہ رہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھو کہ سارے معاملات کا حساب خدا کے ہاں بھی دینا ہے۔ اگر کسی قسم کی خیانت ہوئی تو ہو سکتا ہے کہ دنیا

کے شاہدوں اور گواہوں کی نگاہ اس پر نہ پڑے لیکن خدا کی نگاہ کسی چیز سے بھی نہیں چُوک سکتی۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (۷-۱۰)

یتامیٰ کے حقوق کے تحفظ نے دوسروں کے حقوق کی راہ کھول دی

یتیموں کے حقوق کے تحفظ کے لیے اب یہ تمہید ہے اس قانونِ وراثت کی جس میں مردوں اور عورتوں دونوں کے حقوق، ان کے والدین و اقربا کے ترکے میں سے معین کر دیے گئے تاکہ زور آور عصبات اور وارثوں کے لیے مورث کی تمام املاک و جائداد سمیٹ کر اس پر قابض ہو جانے کا کوئی موقع ہی باقی نہ رہے۔ اسلام سے پہلے نہ صرف عرب میں بلکہ ساری دنیا میں یہ حال رہا ہے کہ یتیموں اور عورتوں کا کیا ذکر، تمام کمزور ورثہ زور آور وارثوں کے رحم و کرم پر تھے۔ قرآن نے اس صورتِ حال کی طرف دوسرے مقام 'وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا' کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے۔ اس صورتِ حال کو ختم کر دینے کے لیے قرآن نے تمام وارثوں کے حقوق معین کر دیے۔ مردوں کے بھی، عورتوں کے بھی۔ اوپر کی آیات کی تلاوت کرتا ہوا آدمی جب اس آیت پر پہنچتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ گویا یتیموں کی برکت سے دوسروں کے حقوق معین کرنے کی بھی راہ کھل گئی۔ یعنی جو خود حقوق سے محروم تھے انھوں نے نہ صرف یہ کہ حقوق حاصل کیے بلکہ ان کی بدولت دوسروں کو بھی حقوق حاصل ہوئے۔

قانونِ وراثت کی تمہید

خاص طور پر عورتوں کا ذکر اس طرح آیا ہے گویا پہلی بار ان کو بھی مردوں کے پہلو بہ پہلو حق داروں کی صف میں جگہ ملی اور اپنے والدین و اقربا کے ترکے میں سے، خواہ کم ہو یا زیادہ، ان کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معین حصہ فرض کر دیا گیا۔

حصے معین ہو جانے کے بعد قانونی حق دار تو وہی ہوں گے جو از روئے شریعت وارث قرار پائے ہیں لیکن صلہ رحم اور خاندانی و انسانی ہمدردی کے عام حقوق پھر بھی باقی رہیں گے۔ چنانچہ وارثوں کو خطاب کر کے ہدایت ہوئی کہ اگر کسی کی وراثت تقسیم کرتے وقت قرابت مند، یتیم اور مسکین آ موجود ہوں تو ہر چند وراثت میں ان کا کوئی شرعی حق نہ ہو تاہم وہ ڈانٹے ڈپٹے نہ جائیں بلکہ ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دلا کر ان کی دلداری کی کوشش کی جائے۔ فرمایا کہ یہ بات بھولنی نہیں چاہیے کہ جس طرح دوسروں کے بچے یتیم ہوئے ہیں اسی طرح ان کے بچے بھی یتیم ہو سکتے تھے۔ پھر سوچیں کہ اگر یہ اپنے پیچھے یتیم چھوڑتے تو ان کے دل میں ان سے متعلق کیا کچھ اندیشے ہوتے اس وجہ سے اللہ سے ڈرنا چاہیے اور سیدھی بات کرنی چاہیے۔

آخر میں آخری تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ ظلم و حق تلفی کی راہ سے اپنے پیٹوں میں یتیموں کے مال بھر رہے ہیں وہ انجام کار کے اعتبار سے اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور آخرت میں وہ اس آگ کو لیے ہوئے دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔

۴۔ آگے کا مضمون —— آیات ۱۱-۱۴

وراثت کی شرعی تقسیم

آگے تقویٰ، عدل اور رحم کے انہی تقاضوں کے مطابق، جن پر اسلامی معاشرے کی بنیاد قائم ہے اس شرعی تقسیمِ وراثت کی وضاحت فرمادی، جس کی طرف ساتویں آیت میں اشارہ ہوا تھا تاکہ ظلم و حق تلفی اور نزاع و اختلاف کے ایک بہت بڑے سبب کا خاتمہ ہو جائے۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۱-۱۴

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهٗٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

ع ۲
۱۲

ترجمۂ آیات ۱۴-۱۱

اللہ تمھاری اولاد کے باب میں تمھیں ہدایت دیتا ہے کہ لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ اگر لڑکیاں دو سے زائد ہیں تو اُن کے لیے ترکے کا دو تہائی ہے اور اگر اکیلی ہے تو اُس کے لیے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ کے لیے ان میں سے ہر ایک کے لیے اس کا چھٹا حصّہ ہے جو مُورث نے چھوڑا، اگر میت کے اولاد ہو۔ اور اگر اُس کے اولاد نہ ہو اور اُس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اُس کی ماں کا حصّہ ایک تہائی اور اگر اُس کے بھائی بہنیں ہوں تو اُس کی ماں کے لیے چھٹا حصّہ ہے۔ یہ حصّے اس وصیّت کی تعمیل یا ادائے قرض

کے بعد ہی جو وہ کر جاتا ہے۔ تم اپنے باپوں اور بیٹوں کے متعلق یہ نہیں جان سکتے کہ تمھارے لیے سب سے زیادہ نافع کون ہوگا۔ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا فریضہ ہے بے شک اللہ ہی علم و حکمت والا ہے۔ ۱۱

اور تمھارے لیے اس ترکے کا نصف ہے جو تمھاری بیویاں چھوڑیں، اگر اُن کے اولاد نہیں ہے۔ اور اگر اُن کے اولاد ہے تو ان کے ترکے میں سے تمھارے لیے چوتھائی ہے۔ بعد اِس وصیت کی تعمیل اور ادائے قرض کے جو وہ کر جائیں۔ اور اُن کے لیے چوتھائی ہے تمھارے ترکے کا اگر تمھارے اولاد نہیں ہے اور اگر تمھارے اولاد ہے تو اُن کے لیے آٹھواں حِصّہ ہے تمھارے ترکے کا۔ اس وصیّت کی تعمیل اور ادائے قرض کے بعد جو تُم کر جاؤ۔

اور اگر کسی مرد یا عورت کی وراثت اِس حال میں تقسیم ہو کہ نہ اس کے اصول میں کوئی ہو، نہ فروع میں، اور ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو اُن میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حِصّہ ہے اور اگر وُہ اس سے زیادہ ہوں تو وُہ ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔ اس وصیّت کی تعمیل کے بعد جو کی گئی یا ادائے قرض کے بعد، بغیر کسی کو ضرر پہنچائے۔ یہ اللہ کی طرف سے وصیّت ہے اور اللہ علیم و حلیم ہے۔ ۱۲

یہ اللہ کی ٹھہرائی ہُوئی حدیں ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت کرتے رہیں گے اللہ اُن کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں گے اور اس کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز کریں گے،

اُن کو ایسی آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لیے

ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ ۱۲-۱۴

۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

مذکورہ بالا مجموعۂ آیات میں وراثت کے جو احکام بیان ہوئے ہیں وہ خود بھی واضح ہیں اور ان کی تفصیل فرائض کی کتابوں میں بھی موجود ہے اس وجہ سے ہم صرف بعض اہم باتوں کی وضاحت پر کفایت کریں گے۔

وصیت کا صحیح مفہوم

پہلی قابلِ توجہ چیز یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے تقسیم وراثت سے متعلق جو احکام دیے ہیں ان کو اپنی وصیت سے تعبیر فرمایا ہے۔ وصیت کا صحیح مفہوم عربی زبان میں یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر یہ ذمہ داری ڈالے کہ جب فلاں صورت پیش آئے تو وہ فلاں طریقہ یا فلاں طرزِ عمل اختیار کرے۔ اس میں وصیت کرنے والے کی پیش بینی، خیر خواہی اور شفقت کا پہلو بھی مضمر ہوتا ہے اور اس کے اندر ایک عہد اور معاہدے کی ذمہ داری بھی پائی جاتی ہے۔ لفظ کے ان تمام مضمرات کو ادا کرنے کے لیے اُردو میں کوئی لفظ مجھے نہیں ملا۔ میں نے جو لفظ اختیار کیا ہے وہ اس کے مفہوم پر پوری طرح حاوی نہیں ہے۔

لڑکیوں کے بالمقابل لڑکوں کا حصہ دونا رکھنے کی وجہ

دوسری چیز یہ ہے کہ وراثت میں لڑکوں کا حصہ اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کے بالمقابل دُونا رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے نظامِ معاشرت میں کفالتی ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ نے تمام تر مرد ہی پر ڈالی ہیں۔ عورت پر کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے۔ مرد ہی بیوی کے نان نفقے کا بھی ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اور وہی بچوں کا بھی کفیل بنایا گیا ہے۔ قرآن نے یہ بات بھی واضح طور پر بتا دی ہے کہ اپنی خلقی صفات کے اعتبار سے مرد ہی اس کا اہل ہے کہ وہ خاندان کا سر دھرا اور قوام بنایا جائے اور یہ قوامیت، خاندان کے نظم اور اس کے قیام و بقا کے لیے ناگزیر ہے۔ اگر خاندان کا کوئی قوام نہ ہو تو یہ بات خاندان کی فطرت کے خلاف ہے اور اگر خاندان کی قوام مرد کے بجائے عورت ہو تو یہ چیز انسانی فطرت کے خلاف ہے اور فطرت کی ہر مخالفت لازماً فساد و اختلال کا سبب ہوگی جس سے سارا معاشرہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ یہ چیز مقتضی ہوئی کہ مرد کو اس کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے بعض حقوق میں ترجیح ہو۔ جو لوگ ہر پہلو سے مرد و عورت کی کامل مساوات کے مدعی ہیں ان کا دعویٰ عقل و فطرت کے بالکل خلاف ہے۔

موضوع پر آگے ہم اس سورہ میں بھی بحث کریں گے اور ہم نے اس پر ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے جس میں اس مسئلے کے سارے پہلو زیر بحث آئے ہیں۔[1]

تیسری چیز یہ ہے کہ قرآن حکیم نے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم پیش و عقب ہر چیز پر حاوی اور حاضر و غائب سب پر محیط ہے۔ کسی کا علم بھی اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اس کی ہر بات اور اس کے ہر کام میں نہایت گہری حکمت ہوتی ہے اور کسی کا بھی یہ مرتبہ نہیں ہے کہ اس کی حکمت کی تمام باریکیوں کو سمجھ سکے۔ اس وجہ سے خدا کی اس تقسیم پر نہ تو اپنے علم و فلسفے کے غرّے میں کسی کو معترض ہونا چاہیے نہ جذباتی جنبہ داری کے جوش میں کسی کو کوئی قدم اس کے خلاف اٹھانا چاہیے۔ بسا اوقات آدمی اپنے ذاتی میلان کی بنا پر ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے لیکن یہ ترجیح دنیا اور آخرت، دونوں ہی اعتبارات سے غلط ہوتی ہے، اسی طرح کسی کو اپنے ذاتی میلان کی بنا پر نظر انداز کرتا ہے حالانکہ بعد کے حالات ثابت کرتے ہیں کہ دنیا اور عقبیٰ دونوں ہی اعتبار سے اس کا رویہ زیادہ صحیح رہا جس کو اس نے نظر انداز کیا۔ پس صحیح روش یہی ہے کہ آدمی جو قدم بھی اٹھائے اپنے ذاتی میلانات کے بجائے شریعت کی ہدایت کے مطابق اٹھائے اسی میں خیر و برکت ہے۔ جو لوگ شریعت کے خلاف قدم اٹھاتے ہیں وہ خدا کے علم و حکمت کی تحقیر کرتے ہیں جس کی سزا بالعموم انھیں دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں تو بہر حال ملنی ہی ہے۔ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا الآیۃ پر اس روشنی میں غور فرمائیے۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ خدا نے جب اس تقسیم کو اپنی وصیت سے تعبیر فرمایا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جن کو اس نے کسی مورث کا وارث قرار دیا ہے ان کے لیے اس نے انصاف اور حکمت پر مبنی وصیت خود فرما دی ہے۔ رب کریم و حکیم کی اس وصیت کے بعد اگر کوئی مورث کسی وارث کے لیے وصیت کرتا ہے تو در حقیقت یہ خدا کی وصیت کی اصلاح بلکہ صحیح تر الفاظ میں اس کی مخالفت ہوئی جو تقویٰ کے بالکل منافی ہے۔ اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ مورثوں کو وصیت کی جو اجازت دی گئی ہے اس کا تعلق ان وارثوں سے نہیں ہے جن کے باب میں خود خدا کی وصیت موجود ہے بلکہ یہ غیر وارثوں کے لیے خاص ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لا وصیۃ لوارث۔

پانچویں یہ کہ مورث کی وصیت کی تعمیل اور اس کے قرض کی ادائیگی کی تاکید جو بار بار آئی ہے اس کے ساتھ غیر مضار کی شرط بھی لگی ہوئی ہے۔ اگرچہ اس شرط کا ذکر صرف کلالہ کے سلسلے میں ہوا ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ یہ ہر جگہ مقصود ہے۔ کلالہ کے ساتھ اس کے ذکر کی وجہ صرف یہ ہے کہ جس مورث

خدا کی تقسیم کی خلاف ورزی خدا کی حکمت کی تحقیر ہے

وارثوں کے حق میں وصیت جائز نہیں

غیر مضار کی قید کی حکمت

---

[1] اس کے لیے ہماری کتاب 'اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام' کا باب: نظریہ مساوات مرد و زن پڑھیے۔

کے اصول ہیں کوئی ہو نہ فروع میں، اس کے اندر اس خواہش کے ابھرنے کا بڑا امکان ہوتا ہے کہ وہ اپنی جائداد ان لوگوں کی طرف نہ منتقل ہونے دے جن کی طرف اس کا طبعی میلان نہیں ہے اگرچہ قانونی حق دار وہی ہیں۔ اس کے لیے وہ وصیت میں بھی تجاوز کر سکتا ہے اور غلط قسم کے نمائشی قرض کا بھی مظاہرہ کر سکتا ہے۔ اس رجحان کو روکنے کے لیے قرآن نے وصیت اور قرض دونوں کے لیے یہ شرط لگا دی کہ یہ غیر مضار ہو یعنی اس سے مقصود محض شرعی وارثوں کو نقصان پہنچانا نہ ہو۔ اسی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کو ثلث مال تک محدود فرما دیا تاکہ اس سے اصلی وارثوں کی حق تلفی نہ ہو۔

۶۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۱۵-۱۸

صنفی انتشار کی روک تھام کے لیے ایک عارضی حکم

اوپر کی آیات میں ان مفاسد کے دروازے بند کیے گئے تھے جو مال کی حد سے بڑھی ہوئی طمع سے پیدا ہوتے اور معاشرے میں فساد و اختلال اور قطع رحم کا سبب بنتے ہیں۔ اب آگے صنفی انتشار اور شہوانی بے قیدی پر پابندی عائد کی جا رہی ہے اس لیے کہ یہ بے قیدی بھی حرص مال ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ معاشرے کو شیطان کی بازی گاہ بنا دینے والی ہے۔

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ احکام اس باب کے ابتدائی احکام ہیں جو اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ مدینہ میں اسلامی معاشرہ ابھی پوری طرح منظم و مستحکم نہیں ہوا تھا۔ مدینہ کے آس پاس غیر مسلم قبائل موجود تھے جو اس وقت تک اسلام کے زیر نگین نہیں ہوئے تھے اور مسلمانوں نے ابھی وہ قوت حاصل نہیں کی تھی کہ اسلامی حدود و تعزیرات ان پر بھی نافذ کر سکیں۔ یہ صورت حال ایک پیچیدہ صورت حال تھی۔ نہ یہ بات قرین مصلحت تھی کہ معاشرے کی تطہیر کے نقطۂ نظر سے جو حدود و تعزیرات ضروری ہیں وہ بے درنگ نافذ کر دی جائیں اس لیے کہ مخالفین اس سے غلط فائدے اٹھا سکتے تھے اور نہ یہ بات ممکن تھی کہ فحشا اور منکر کے دروازے کھلے چھوڑ دیے جائیں اس لیے کہ اس سے بدکاری و بے حیائی کے اس رجحان کو شہ ملتی جس کا اس وقت عرب سوسائٹی میں زور تھا اور اسلام جس کو مٹانے کے لیے آیا تھا۔ ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام نے یہ حکیمانہ طریقہ اختیار کیا کہ جہاں تک مسلمانوں کی سوسائٹی کا تعلق تھا اس کو بدکاری و بے حیائی سے پاک رکھنے کے لیے کچھ ایسے ابتدائی نوعیت کے عارضی احکام دے دیے جو فی الجملہ مفاسد کے سد باب کے لیے بھی مفید تھے اور جو مسلمانوں کے ذہن کو ان احکام کے قبول کرنے کے لیے تیار کرنے والے بھی تھے جو بعد میں اس سلسلے میں نازل ہوئے اور ساتھ ہی ان کے اندر یہ پہلو بھی ملحوظ تھا کہ مخالفین ان کو اسلام کے خلاف وسوسہ اندازیوں اور ریشہ دوانیوں کا ذریعہ نہیں بنا سکتے تھے۔

اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمایئے۔

آیات ۱۵-۱۸

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْکُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَۃٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ کُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾

ترجمہ آیات ۱۵-۱۸

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان پر اپنے اندر سے چار گواہ طلب کرو۔ پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو گھروں کے اندر محبوس کر دو، یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کرے یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ نکالے۔ ۱۵

اور جو دونوں تم میں سے اس بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان کو ایذا پہنچاؤ پس اگر وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو ان سے درگزر کرو۔ بے شک اللہ توبہ قبول

کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۶۔

اللہ پر توبہ قبول کرنے کی ذمہ داری تو انہی کے لیے ہے جو جہالت سے مغلوب ہو کر برائی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں، وہی ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے اور ان لوگوں کی توبہ نہیں ہے جو برابر برائی کرتے رہے، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت سر پر آن کھڑی ہوئی تو بولا کہ اب میں نے توبہ کر لی اور نہ ان لوگوں کی توبہ ہے جو کفر ہی پر مر جاتے ہیں۔ ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۱۷-۱۸

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ج فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ (۱۵-۱۶)

فاحشہ زنا کی تعبیر کے لیے معروف ہے

'فاحشۃ' کھلی ہوئی بے حیائی اور بدکاری کو کہتے ہیں اور زنا کی تعبیر کے لیے یہ لفظ معروف ہے۔

من نسائکم کا مفہوم

'مِنْ نِّسَآئِكُمْ' (تمہاری عورتوں میں سے) یعنی بدکاری کا ارتکاب کرنے والی عورت مسلمانوں کے معاشرے سے تعلق رکھنے والی ہو۔

یہ اشارہ کہ یہ حکم عارضی ہے

'اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم عارضی ہے۔ اس باب میں آخری حکم بعد میں نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ سورۂ نور میں زنا کی جو سزا بیان ہوئی ہے اس سے یہ وعدہ پورا ہوا۔

صیغہ کا استعمال تذکیر غالب کے اعتبار سے

'وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ' یعنی بدکاری کا ارتکاب کرنے والے دونوں فریق، مرد اور عورت، مسلمانوں ہی کے اندر کے ہوں۔ اس میں مذکر کا صیغہ عربی زبان کے معروف قاعدے کے مطابق تذکیر غالب کے لحاظ سے استعمال ہوا ہے۔ جیسے کہ 'والدین' کا لفظ ہے جو ہے تو مذکر لیکن ماں باپ دونوں ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ایذاء کا مفہوم

'فَاٰذُوْهُمَا' میں توہین و تذلیل، ڈانٹ ڈپٹ اور نصیحت و ملامت سے لے کر اصلاح کے حد تک

مار پیٹ ہر چیز داخل ہے۔

ان آیات میں خطاب ظاہر ہے کہ معاشرہ کے ارباب حل وعقد اور ذمہ داروں سے ہے۔ ان کو خطاب کرکے بدکاری پر تعزیر کے لیے دو مختلف صورتوں میں دو الگ الگ ہدایات دی گئی ہیں۔

دو صورتوں کے لیے دو الگ الگ ہدایات

ایک صورت یہ ہے کہ بدکاری کا ارتکاب کرنے والی عورت تو مسلمانوں کے معاشرے سے تعلق رکھتی ہے لیکن اس کا شریک مرد، اسلامی معاشرے کے دباؤ میں نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہ ہدایت فرمائی کہ عورت کو گھر کے اندر محبوس کر دیا جائے، اس کی باہر کی آمد و شد پر پوری پابندی عائد کر دی جائے تا آنکہ موت اس کا خاتمہ کرے یا اس باب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نیا حکم نازل ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بدکاری کے دونوں فریق مسلمانوں ہی سے تعلق رکھتے ہوں۔ ایسی صورت میں ان کو زجر و توبیخ، تحقیر و تذلیل، ڈانٹ ڈپٹ اور اصلاح کے حد تک مار پیٹ سے درست کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ اس کے اثر سے توبہ کرکے اپنے چال چلن درست کرلیں تو ان سے درگزر کیا جائے۔ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

عورت کے معاملے میں شدت احتیاط کی حکمت

ان دونوں صورتوں پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ پہلی صورت میں احتیاط کا پہلو زیادہ شدت کے ساتھ ملحوظ ہے۔ دوسری صورت میں تو عورت اور مرد دونوں کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ اگر وہ توبہ کرکے اپنے چال چلن درست کرلیں تو اُن سے درگزر کر لیا جائے لیکن پہلی صورت میں عورت کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ توبہ و اصلاح کرلے تو اُس پر عائد کردہ قدغن اُٹھالی جائے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ دُوسری صُورت میں تو دونوں فریق اسلامی معاشرہ کے دباؤ میں ہیں، ان کے رویے میں جو تبدیلی ہوگی وہ سب کے سامنے ہوگی، نیز ان کے اثرات اور وسائل معلوم و معین ہیں، ان کے لیے بہرحال اپنے خاندان اور قبیلے سے بے نیاز ہوکر کوئی اقدام ناممکن نہیں تو نہایت دشوار ہوگا۔ لیکن پہلی صورت میں مرد، جو اصل جرم میں شریک غالب کی حیثیت رکھتا ہے، مسلمانوں کے معاشرہ کے دباؤ سے بالکل آزاد ہے، نہ اُس کے رویے کا کچھ پتہ نہ اُس کے عزائم کا کچھ اندازہ، نہ اُس کے اثرات و وسائل کے حدود معلوم و معین۔ ایسی حالت میں اگر عورت کو یہ موقع دے دیا جاتا کہ توبہ کے بعد اس سے درگزر کی جائے تو یہ بات نہایت خطرناک نتائج پیدا کرسکتی تھی۔ اول تو مرد کے رویہ کو نظر انداز کرکے عورت کی توبہ و اصلاح کا صحیح اندازہ ہی ممکن نہیں ہے اور ہو بھی تو جب مرد بالکل قابو سے باہر اور مطلق العنان ہے تو اغوا، فرار اور قتل و خون کے امکانات کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ اس پہلو سے اس میں احتیاط کی شدت ملحوظ ہے۔

اگرچہ یہ تعزیرات سورۂ نور میں نازل شُدہ حدود کے بعد منسوخ ہوگئیں لیکن بدکاری کے معاملے میں شہادت کا یہی ضابطہ بعد میں بھی باقی رہا۔

تعزیری مقاصد کے لیے جیل کے سسٹم کا جواز

علاوہ ازیں فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُيُوْتِ کے الفاظ سے تعزیری مقاصد کے لیے جیل کے سسٹم کا جواز بھی نکلتا ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ج حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ط اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (۱۷-۱۸)

لفظ 'جہالت' کا مفہوم

'جہالت' کے معنی عربی میں صرف نہ جاننے کے نہیں آتے بلکہ اس کا غالب استعمال جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی شرارت، یا ظلم یا گناہ کا کام کر گزرنے کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ عام طور پر علم کے بجائے حلم کے ضد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ایک حماسی کا شعر ہے۔

فللحلم خیر فاعلمن مغبة   من الجهل الا ان تشمس من ظلم

اور یاد رکھو کہ جہالت کے مقابلے میں تحمل و بردباری انجام کار کے اعتبار سے بہتر ہے مگر یہ کہ تمہیں ظلم کی وجہ سے ذلیل کرنے کی کوشش کی جائے۔

معلقات کا مشہور شعر ہے۔

الا لا یجهلن احد علینا   فنجهل فوق جهل الجاهلینا

آگاہ، کہ کوئی ہمارے خلاف جہالت کا اظہار نہ کرے کہ ہم بھی تمام جاہلوں سے بڑھ کر جہالت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

توبہ کی قبولیت کے شرائط

اُوپر والی آیت میں یہ جو فرمایا تھا کہ اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو، اس سے اتنی بات تو بالکل واضح ہو گئی تھی کہ رویے کی اصلاح توبہ کے لازمی شرائط میں سے ہے، اگر کوئی شخص اس برائی سے باز نہ آئے جس کا وہ مرتکب ہوا ہے تو زبان سے لاکھ توبہ توبہ کا ورد کرے، اس کی توبہ بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی تعلق سے توبہ کے آداب و خصوصیات کی مزید وضاحت فرما دی۔

فرمایا کہ اللہ کے اوپر صرف ان کی توبہ کا حق قائم ہوتا ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی برائی کر گزرتے ہیں پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔ انہی لوگوں کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے۔ نہ وہ کسی بات سے بے خبر نہ اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی۔ پھر وہ ان لوگوں کی توبہ کی کوئی ذمہ داری اپنے اُوپر کیوں لے گا جو جانتے بوجھتے ٹھنڈے دل سے گناہ بھی کیے جا رہے ہیں اور توبہ کا وظیفہ بھی پڑھتے جا رہے ہیں۔

اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں ہے جو زندگی بھر تو گناہوں میں ڈوبے رہے جب

دیکھا کہ موت سر پر آن کھڑی ہوئی تو بولے کہ اب میری توبہ! علیٰ ہذا القیاس کفر کی حالت میں مرنے والوں کی بھی توبہ نہیں ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ان دونوں آیتوں پر غور کرنے سے توبہ کی قبولیت اور عدم قبولیت کی دو صورتیں متعین ہو جاتی ہیں۔ جو لوگ جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں پھر فوراً توبہ اور اصلاح کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ان کی توبہ قبول کرنے کی ذمہ داری لی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ برابر گناہ کیے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ملک الموت ان کے سر پر آ دھمکتا ہے اس وقت وہ توبہ کرتے ہیں یا وہ لوگ جو کفر کی حالت ہی میں مرتے ہیں ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ان دونوں حدوں کے معین ہو جانے کے بعد اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ ان لوگوں کی توبہ کا کیا حکم ہے جن کو گناہ کے بعد جلدی توبہ کرنے کی سعادت تو حاصل نہیں ہوئی لیکن اتنی دیر بھی انھوں نے نہیں لگائی کہ موت کا وقت آن پہنچا ہو۔ اس سوال کے جواب میں یہ آیت خاموش ہے اور یہ خاموشی جس طرح امید پیدا کرتی ہے اسی طرح خوف بھی پیدا کرتی ہے اور قرآن حکیم کا منشا بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ بین الرجا والخوف ہی رہے لیکن کبھی کبھی ذہن اس طرف جاتا ہے کہ اس امت کے اس طرح کے لوگ، امید ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے نجات پا جائیں گے اس لیے کہ ان کے باب میں شفاعت کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔

۸۔ آگے کا مضمون ــــ آیات ۱۹-۲۲

عورتوں کے حقوق معاشرے کے اندر محفوظ کرنے اور ان کو ظلم و تعدی سے بچانے کے لیے جو ہدایات اوپر دی گئی ہیں اسی سلسلے میں مزید ارشاد ہوا۔

آیات ۱۹-۲۲

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا۟ بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَدتُّمُ ٱسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا۟ مِنْهُ

شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

ع ۳ ۱۴

ترجمہ آیات ۱۹-۲۲

اے ایمان والو، تمھارے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ اور نہ یہ بات جائز ہے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ واپس لینے کے لیے ان کو تنگ کرو مگر اس صورت میں کہ وہ کسی کھلی ہوئی بدکاری کی مرتکب ہوئی ہوں اور ان کے ساتھ معقول طریقے کا برتاؤ کرو۔ اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو بعید نہیں کہ ایک چیز کو تم ناپسند کرو اور اللہ تمھارے لیے اس میں بہت بڑی بہتری پیدا کر دے۔ ۱۹

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم نے ایک کو ڈھیروں مال دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو، کیا تم بہتان لگا کر اور کھلی ہوئی حق تلفی کر کے اس کو لوگے؟ اور کس طرح اس کو لوگے جب کہ تم ایک دوسرے کے آگے بے حجاب ہو چکے ہو اور انھوں نے تم سے مضبوط عہد لے رکھا ہے۔ ۲۰-۲۱

اور جن عورتوں سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے نکاح نہ کرو۔ مگر جو کچھ ہو چکا۔ بے شک یہ کھلی بے حیائی اور نفرت کی بات ہے اور نہایت برا طریقہ ہے۔ ۲۲

۹. الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا (۱۹)

عضل کے معنی

عضل یعضل، کے معنی تنگ کرنے، زچ کرنے اور روکنے کے ہیں۔

معاشرت بالمعروف

عاشروھن بالمعروف، یعنی ان کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرو جو شریفوں کے شایانِ شان، عقل و فطرت کے مطابق، رحم و مروت اور عدل و انصاف پر مبنی ہو۔ یہاں لفظ معروف کے استعمال سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگرچہ عرب جاہلیت کے بعض طبقات میں عورتوں کے ساتھ سلوک کے معاملہ میں بعض نہایت ناروا قسم کی زیادتیاں رواج پاگئی تھیں تاہم وہ اس بات سے ناآشنا نہیں تھے کہ عورت کے ساتھ معقولیت کا برتاؤ کیا ہے۔

عرب جاہلیت کے ایک بکروہ رواج کی اصلاح

اس آیت میں پہلے عرب جاہلیت کی ایک نہایت مکروہ رسم کی اصلاح کی ہے۔ وہ یہ کہ ان کے بعض طبقات میں یہ رواج تھا کہ مورث کی جائداد اور اس کے مال مویشی کی طرح اس کی بیویاں بھی وارث کی طرف منتقل ہو جاتی تھیں۔ حد یہ ہے کہ باپ کی منکوحہ عورتوں پر بھی بیٹے قبضہ کر لیتے تھے۔ باپ کے مرنے پر خلفِ اکبر اس کی منکوحات میں سے جن پر اپنی چادر ڈال دیتا تھا وہ سب اس کے تصرف میں آجاتیں اور آگے آیت ۲۲ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ان سے زن و شو کے تعلقات قائم کرنے میں بھی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ قرآن نے یہاں واضح فرمایا کہ عورت متروکہ جائداد نہیں بلکہ آزاد ہستی ہے۔ اس کے ساتھ مورث کی بھیڑ بکریوں کی طرح کا معاملہ جائز نہیں ہے بلکہ وہ اپنی مرضی کی مالک اور شریعت کے حدود کے اندر آزاد ہے۔

ناپسند بیوی سے حسن سلوک کی ہدایت

دوسری بات یہ فرمائی کہ اگر کسی کو اس کی بیوی ناپسند ہو تو اس سے اپنا دیا دلایا اور کھلایا پہنایا اگلوانے کے لیے اس کو ضیق میں ڈالنے اور تنگ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس قسم کا رویہ صرف اس شکل میں جائز ہے جب اس کی طرف سے کھلی ہوئی بدکاری کا صدور ہو۔ اگر اس قسم کی کوئی بات اس سے صادر نہیں ہوئی ہے، وہ بدستور اپنی وفاداری اور پاک دامنی پر قائم ہے تو مجرد اس بنیاد پر کہ بیوی پسند نہیں ہے اس سے کچھ اینٹھنے کے لیے اس کو تنگ کرنا عقل، انصاف، شرافت اور فتوت کے بالکل منافی ہے۔ قابلِ نفرت چیز صرف اخلاقی فساد ہے۔ محض شکل و صورت اور رنگ و روغن کے ناپسند ہونے کی بنا پر یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ شریفانہ معاشرت کے حقوق سے محروم کر دی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ مجرد شکل و صورت کی بنا پر کوئی شخص اپنی بیوی کو ناپسند کرتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس

کے ذریعے سے اس کے لیے دنیا و آخرت، دونوں میں برکتوں کے بہت سے دروازے کھول دے۔ پس صحیح مومنانہ رویہ یہی ہے کہ اگر کسی کو اس طرح کی آزمائش پیش آ جائے تو ذوقی عدم مناسبت کے باوجود خدا کے خوف اور اپنی فتوت و شرافت کے پیش نظر ایسی بیوی سے نہایت اچھا برتاؤ کرے اور خدا سے خیر و برکت کی امید رکھے۔

ایک ادبی نکتہ

یہاں لفظ اگرچہ 'عَسٰی' استعمال ہوا ہے جو عربی میں صرف اظہارِ امید اور اظہارِ توقع کے لیے آتا ہے لیکن عربیت کے اداشناس جانتے ہیں کہ اس طرح کے مواقع میں، جیسا کہ یہاں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا وعدہ مضمر ہوتا ہے۔ اس اشارے کے پیچھے جو حقیقت جھلک رہی ہے وہ یہی ہے کہ جو لوگ ظاہری شکل و صورت کے مقابل میں اعلیٰ اخلاقی و انسانی اقدار کو اہمیت اور ان کی خاطر اپنے جذبات کی قربانی دیں گے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کثیر کا وعدہ ہے۔ جن لوگوں نے اس وعدے کے لیے بازیاں کھیلی ہیں وہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ بات سو فی صدی حق ہے اور خدا کی بات سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (۲۰-۲۱)

'قنطار' کا مفہوم

'قنطار' اصل میں تو ایک وزن ہے جس کی مقدار زمانے کے ساتھ گھٹتی بڑھتی رہی ہے لیکن عام استعمال میں اس سے مراد مالِ کثیر ہوتا ہے۔ جیسے ہم منوں مال، ڈھیروں مال، بولتے ہیں، عربی میں اسی مفہوم کی تعبیر کے لیے یہ لفظ ہے۔ اسی سے قناطیر مقنطرہ کی ترکیب بھی قرآن میں استعمال ہوئی ہے۔

'افضی بعضکم الٰی بعض' کا مفہوم

'اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ' افضی فلان الی فلان کے معنی ہیں وصل الیہ ودخل فی حیزہ اسی طرح افضی الی فلان بسرہ کے معنی ہیں اس نے فلاں کے آگے اپنے سارے بھید بے نقاب کر دیئے۔ یہ میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات کی نہایت جامع اور نہایت شائستہ تعبیر ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے اس طرح بے نقاب ہو جاتے ہیں کہ ان کے ظاہر و باطن اور احساسات و جذبات کا کوئی گوشہ اور کوئی پہلو ایک دوسرے سے مخفی نہیں رہ جاتا۔

بیوی سے دیا ہوا مال واپس لینا فتوت کے منافی ہے

اوپر کی آیت میں بتایا تھا کہ ناپسندیدگی کے باوجود اعلیٰ طریقہ یہی ہے کہ آدمی بیوی کے ساتھ شائستہ طریقے پر نباہنے کی کوشش کرے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ کوئی شخص اپنے حالات کے تقاضوں سے اگر اس فیصلہ پر پہنچ ہی گیا ہے کہ ایک بیوی کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے شادی کرے تو یہ تو بہرحال وہ نہ کرے کہ جو کچھ پہلی بیوی کو اس نے دیا ہے اس کو واپس لینے کی کوشش کرے۔ یہاں تک کہ اگر اس کو ڈھیروں مال بھی اس نے دیا ہے جب بھی اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے واپس لینے کے

لیے ہتھکنڈے استعمال کرے۔ خاص کر اس خیال سے اس پر بہتان لگانا کہ اس سے دیا ہوا مال واپس لینے کے لیے جواز پیدا ہو سکے اور بھی بڑا گناہ اور ظلم ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ مرد کی فتوت کے بالکل منافی ہے کہ جس عورت کے ساتھ اس نے زندگی بھر کا پیمانِ وفا باندھا، جو ایک نہایت مضبوط میثاق کے تحت اس کے حبالۂ عقد میں آئی، جس نے اپنا سب ظاہر و باطن اس کے لیے بے نقاب کر دیا اور دونوں نے ایک مدت تک یک جان و دو قالب ہو کر زندگی گزاری، اس سے جب جدائی کی نوبت آئے تو اپنا کھلایا پہنایا اس سے اگلوانے کی کوشش کی جائے یہاں تک کہ اس ذلیل غرض کے لیے اس کو بہتانوں اور تہمتوں کا ہدف بھی بنایا جائے۔

عہدِ نکاح ایک محکم میثاق ہے

یہاں ایک اور چیز بھی قابلِ غور ہے وہ یہ کہ فرمایا ہے ’’وَاَخَذْنَ مِنْکُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا‘‘ (اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط میثاق لیا ہے) ظاہر ہے کہ ’میثاق غلیظ‘ سے مراد یہاں عقدِ نکاح ہی ہے۔ اس کے سوا کسی اور میثاق کا نہ یہاں کوئی قرینہ ہے نہ اس کی کوئی تاریخی شہادت۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ عقدِ نکاح کی ذمہ داری کو یہاں ’میثاق غلیظ‘ سے کیوں تعبیر فرمایا۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ عقدِ نکاح کی اصل عرفی اور شرعی حقیقت یہی ہے کہ وہ میاں اور بیوی کے درمیان حقوق اور ذمہ داریوں کا ایک مضبوط معاہدہ ہوتا ہے جس کے ذریعے سے دونوں زندگی بھر کے سنجوگ کے عزم کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ جڑتے ہیں اور دونوں یکساں طور پر حقوق بھی حاصل کرتے ہیں اور یکساں طور پر ایک دوسرے کے لیے ذمہ داریاں بھی اٹھاتے ہیں۔ بظاہر تو اس میثاق کے الفاظ نہایت سادہ اور مختصر ہوتے ہیں لیکن اس کے مضمرات و تضمنات بہت ہیں اور یہ مضمرات و تضمنات ہر مہذب سوسائٹی اور ہر شریعت میں معلوم و معروف ہیں۔ یہ امر بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ میثاق بندھتا تو ہے میاں اور بیوی کے درمیان لیکن اس میں گرہ خدا کے حکم سے لگتی ہے اور جس طرح خلق اس کی گواہ ہوتی ہے اسی طرح خالق بھی اس کا گواہ ہوتا ہے۔ پھر اس کے ’میثاق غلیظ‘ ہونے میں کیا شبہ رہا؟ یہاں اس رشتے کو اس لفظ سے تعبیر فرما کر قرآن نے اس کی اصلی عظمت واضح فرمائی ہے کہ مرد کو کسی حال میں بھی یہ بھولنا نہیں چاہیے کہ بیوی کے ساتھ اس کا تعلق کچے دھاگے سے نہیں بندھا ہے بلکہ یہ رشتہ نہایت محکم رشتہ ہے اور اس کے تحت جس طرح مرد کے حقوق ہیں اسی طرح بیوی کے بھی حقوق ہیں جن سے مرد کے لیے فرار کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر وہ ان سے بھاگنے کی کوشش کرے گا تو اپنی فتوت کو بھی رسوا کرے گا اور اپنے خدا کو بھی ناراض کرے گا۔

وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا (۲۲)

مقت اور ممقوت، مبغوض اور نفرت انگیز شے یا فعل کو کہتے ہیں۔ باپ کی منکوحہ سے نکاح کے

لیے "زواج المقت" کی تعبیر مشہور رہی ہے۔ اسی طرح اُس شخص کو "مقتی" کہتے تھے جو اس فعل شنیع کا مرتکب ہوا ہو۔

"اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ" کا مفہوم

"اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ" کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون، ماضی پر لاگو نہیں ہوگا کہ اس کو بنیاد قرار دے کر تمام پچھلے رشتوں کی تحقیق ہو اور اس کی روشنی میں جائز و ناجائز کے احکام صادر ہوں۔ یہ چیز عملاً ناممکن ہے۔ قانون اپنی فطرت ہی سے ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا نفاذ حاضر و مستقبل ہی پر ہو۔ چنانچہ ماضی سے درگزر کر کے ان برائیوں کی اصلاح کر دی گئی جو بالفعل موجود تھیں اور آئندہ کے لیے اس بے حیائی کا سدباب کر دیا گیا۔

زواج المقت

آیت ۱۹ کے تحت گزر چکا ہے کہ عرب جاہلیت کے بعض طبقات میں یہ رواج تھا کہ باپ کی منکوحات، بیٹے کو وراثت میں ملتی تھیں اور بیٹے ان سے زن و شو کے تعلقات قائم کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں محسوس کرتے تھے۔ اس آیت نے اس فعل شنیع کی حتمی ممانعت کر دی۔ فرمایا کہ یہ فعل کھلی ہوئی بے حیائی و بدکاری، نہایت مبغوض اور نہایت برا رواج ہے۔

مخصوص طبقات کی برائیوں کا ذکر صیغۂ عام سے

یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ اس قسم کی برائیوں اور بے حیائیوں کا ذکر قرآن میں عام صیغے سے جو آتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس میں لازماً پوری قوم مبتلا تھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ برائی کسی خاص طبقے کے اندر محدود ہوتی ہے لیکن اس سے متعلق قانون چونکہ سب پر حاوی ہوتا ہے اس وجہ سے خطاب عام ہوتا ہے۔ یہاں اس برائی کے لیے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہ خود شاہد ہیں کہ اس کا کھلی ہوئی بے حیائی اور مبغوض ہونا عرب کے شرفا کو بھی معلوم تھا۔

۱۰۔ آگے کا مضمون —— آیات ۲۳-۲۵

باپ کی منکوحات کے ساتھ نکاح کی ممانعت نے عورتوں میں جو حلال و حرام ہیں ان کے بیان کے لیے راہ ہموار کر دی تاکہ اس پہلو سے معاشرے میں جو گندگیاں اور ناانصافیاں ہیں وہ واضح ہو کر سامنے آجائیں اور ان کی اصلاح ہو سکے۔ فرمایا۔

آیات ۲۳-۲۵

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۙ ﴿۲۳﴾ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

الجزء ۵

ع ۴

ترجمہ آیات ۲۳-۲۵

تم پر حرام کی گئیں تمھاری مائیں، تمھاری بیٹیاں، تمھاری بہنیں، تمھاری پھوپھیاں، تمھاری خالائیں، تمھاری بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا، تمھاری رضاعی بہنیں، تمھاری ساسیں اور تمھاری بیبیائیں جو تمھاری

گودوں میں پلیں اور تمہاری مدخولہ بیویوں سے ہوں، اگر وہ تمہاری مدخولہ نہ رہی ہوں تو کچھ گناہ نہیں ـــ اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو بیک وقت جمع کرو مگر جو گزر چکا۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ ۲۳

اور وہ عورتیں بھی حرام ہیں جو قیدِ نکاح میں ہوں مگر یہ کہ وہ تمہاری ملک یمین بن جائیں۔ یہ تم پر اللہ کا لکھا ہُوا فریضہ ہے۔ ان کے ماسوا جو عورتیں ہیں وُہ تمہارے لیے حلال ہیں، اس طرح کہ تم اپنے مال کے ذریعے سے ان کے طالب بنو، ان کو قیدِ نکاح میں لے کر، نہ بدکاری کے طور پر۔ پس ان میں سے جن سے تم نے تمتع کیا ہو توان کو ان کے مہر دو، فریضہ کی حیثیت سے۔ مہر کے ٹھہرانے کے بعد جو تم نے آپس میں راضی نامہ کیا ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۲۴

اور جو تم میں سے آزاد مومنات سے نکاح کرنے کی مقدرت نہ رکھتا ہو تو وہ مومنہ کنیزوں میں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں ان سے نکاح کرے اور اللہ تمہارے ایمان سے خوب باخبر ہے، تم سب ایک ہی جنس سے ہو۔ سو ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کر لو۔ اور دستور کے مطابق ان کو ان کے مہر دو۔ ان کو قیدِ نکاح میں لا کر نہ کہ بدکاری کرنے والیاں اور آشنائی گانٹھنے والیاں ہوں۔ پس جب وہ قیدِ نکاح میں آجائیں تو اگر وہ بدکاری کی مرتکب ہوں تو آزاد عورتوں کے لیے جو سزا ہے اس کی نصف سزا ان پر ہے۔ یہ اجازت تم میں سے اُن کے لیے ہے جن کو گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو اور یہ کہ تم صبر کرو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔ ۲۵

۱۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا (۲۳)

> وہ عورتیں حرام ہیں جن کو رحمی رشتے سے قربت قریبہ حاصل ہے

اس آیت میں جو حرمتیں بیان ہوئی ہیں وہ انسانی فطرت کے اس تقاضے پر مبنی ہیں کہ جہاں رحمی رشتے کی قربت قریبہ موجود ہو یا اس سے مشابہت پائی جاتی ہو وہاں باہمی ارتباط کی بنیاد صرف رحم، محبت اور رافت و شفقت کے اعلیٰ جذبات ہی پر ہونی چاہیے، اس میں نہ تو نفس کی شہوات و رغبات کی کوئی آمیزش ہونی چاہیے نہ رشک و رقابت کو اس میں خلل انداز ہونے کا موقع دینا چاہیے۔ یہ چیز اس فطرت اصلیہ کے خلاف ہے جس پر فاطر کائنات نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اس وجہ سے ان تمام عورتوں سے ازدواجی تعلق کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے جن کو بلاواسطہ یا بالواسطہ رحمی قربت قریبہ حاصل ہے۔

> رضاعت کے رشتہ کو مادرانہ رشتے سے مناسبت حاصل ہے

رضاعت کے تعلق کو لوگ ہمارے ہاں اس گہرے معنی میں نہیں لیتے جس معنی میں اس کو لوگ عرب میں لیتے تھے۔ اس کا سبب محض رواج کا فرق ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ اس کو مادرانہ رشتے سے بڑی گہری مناسبت ہے۔ جو بچہ جس ماں کی آغوش میں، اس کی چھاتیوں کے دودھ سے پلتا ہے وہ اس کی پوری نہیں تو آدھی ماں تو ضرور بن جاتی ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس کا دودھ اس کے رگ و پے میں جاری و ساری ہے اس سے اس کے جذبات و احساسات متاثر نہ ہوں۔ اگر نہ متاثر ہوں تو یہ فطرت کا بناؤ نہیں بلکہ بگاڑ ہے اور اسلام، جو دین فطرت ہے، اس کے لیے ضروری تھا کہ اس بگاڑ کو درست کرے۔

> رضاعت کے رشتے نے معاشرہ کو عظیم فائدے پہنچائے

رضاعت کے تعلق کو اس کا صحیح مقام دینے سے معاشرت کو جو فوائد پہنچے ہیں ان کا صحیح اندازہ بھی عام طور پر نہیں کیا جاتا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس رشتے نے گڈریوں اور چرواہوں کی ماؤں بہنوں کو سرداروں بلکہ تاجداروں کی مائیں بہنیں بنا دیا۔ اس رشتے کی برکت سے دیہاتیوں اور شہریوں، غریبوں اور امیروں کے مابین ایسے روابط قائم ہو گئے جن کو کوئی چیز بھی توڑ نہیں سکتی تھی۔

> معتبر رضاعت کے لیے ضروری شرط

لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ تعلق مجرد کسی اتفاقی واقعے سے قائم نہیں ہو جاتا۔ قرآن نے یہاں جن لفظوں میں اس کو بیان کیا ہے اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ یہ اتفاقی طور پر نہیں بلکہ اہتمام کے ساتھ، ایک مقصد کی حیثیت سے عمل میں آیا ہو، تب اس کا اعتبار ہے۔ اول تو فرمایا ہے "تمھاری وہ مائیں

جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہے۔" پھر اس کے لیے رضاعت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ وَ اَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَۃِ، عربی زبان کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ 'ارضاع' باب افعال سے ہے جس میں، فی الجملہ مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اسی طرح 'رضاعت' کا لفظ بھی اس بات سے اِبا کرتا ہے کہ اگر کوئی عورت کسی روتے بچے کو بہلانے کے لیے اپنی چھاتی اس کے منہ سے لگا دے تو یہ رضاعت کہلائے۔

ربیبہ کس صورت میں حرام ہے

'ربیبہ' بیوی کی اس لڑکی کو کہتے ہیں جو اس کے سابق شوہر سے ہو۔ اس کو چونکہ خود اپنی لڑکی سے مشابہت حاصل ہو جاتی ہے اس وجہ سے اس کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ ان لڑکیوں کی حرمت بیان کرتے ہوئے ان کو دو صفتوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ وہ تمھارے آغوشِ تربیت میں پلی ہیں، دوسری یہ کہ وہ تمھاری مدخولہ بیوی کے بطن سے ہیں۔ یہ دونوں صفتیں حرمت کے حکم کو مؤثر بنانے کے لیے مذکور ہوئی ہیں۔ عربی زبان میں ہر صفت کو لازماً قید و شرط کی حیثیت حاصل نہیں ہو جاتی کہ ان میں سے کوئی نہ پائی جائے تو وہ حکم کالعدم ہو جائے بلکہ اس کا انحصار قرینے پر ہوتا ہے۔ قرینہ بتاتا ہے کہ کون سی صفت قید اور شرط کا درجہ رکھتی ہے اور کون سی صفت محض تصویرِ حال کے لیے ہے۔ یہاں صرف قرینہ ہی نہیں بلکہ تصریح ہے کہ ربیبہ کی ماں اگر تمھاری مدخولہ نہیں ہو تو اس ربیبہ سے نکاح میں کوئی قباحت نہیں۔ اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ ربیبہ کی حرمت میں اصل مؤثر چیز اس کی ماں کا مدخولہ ہونا ہے۔ اگر وہ مدخولہ ہے تو اس کی لڑکی سے نکاح ناجائز ہوگا، قطع نظر اس سے کہ وہ آغوشِ تربیت میں پلی ہے یا نہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اعلیٰ عربی بالخصوص قرآن حکیم میں اثبات کے بعد نفی کے اسلوب یا نفی کے بعد اثبات کے اسلوب میں جو باتیں بیان ہوتی ہیں وہ محض سخن گسترانہ نہیں ہوتیں بلکہ کسی خاص فائدے کے لیے ہوتی ہیں۔ ان سے مقصود اکثر صورتوں میں رفعِ ابہام ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کا خیال قرآن کے خلاف ہے جو ربیبہ کے ساتھ نکاح صرف اس صورت میں حرام سمجھتے ہیں جب وہ نکاح کرنے والے کے آغوشِ تربیت میں پلی ہو۔ بصورتِ دیگر وہ اس کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔

جمع بین الاختین کی ممانعت کی علت

جمع بین الاختین کی ممانعت بھی اسی اصولِ حکمت پر مبنی ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے کہ قرآن حکیم انسانی فطرت کے اس تقاضے کو ابھارنا چاہتا ہے کہ جہاں رحمی رشتے کی قربت قریبہ موجود ہو وہاں باہمی ارتباط کی فطری بنیاد رافت و رحمت ہی ہونی چاہیے۔ یہ چیز مقتضی ہوئی کہ ان اسباب کو دبا دیا جائے جو رحمی رشتوں کے اندر رشک و رقابت کا زہر گھولنے والے ہوں۔ چونکہ دو بہنوں کے بیک وقت کسی کی قیدِ نکاح میں ہونے کی صورت میں اس کا غالب امکان ہے کہ دو بہنیں، بہنیں ہوتے ہوئے بھی، سوکنوں کے جلاپے اور رشک و رقابت کے جذبات میں مبتلا ہو جائیں اس وجہ سے اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ چونکہ یہی صورت خالہ اور بھانجی، پھوپھی اور بھتیجی کے جمع کرنے کی شکل میں بھی موجود تھی، اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ حدیثوں سے واضح ہے، ان کے جمع

کرنے کی بھی ممانعت فرما دی۔

صلبی اور متبنٰی بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں قرآن نے جو فرق کیا ہے اس پر تفصیلی بحث کے لیے موزوں مقام سورۂ احزاب میں آئے گا۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ بیٹوں کے ساتھ مِنْ اَصْلَابِكُمْ کی قید نے متبنٰی بیٹوں کی بیویوں کو اس حکم سے خارج کر دیا۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (۲۴)

احصان کا مفہوم

احصان کے معنی کسی شے کو اپنی حفاظت و حمایت میں لینے کے بھی ہیں اور کسی کی حفاظت و حمایت میں ہونے کے بھی۔ اسی سے 'محصنٰت' کا لفظ ہے۔ یہ ان عورتوں کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی کی قید نکاح میں ہوں۔ نیز یہ لونڈیوں کے مقابل لفظ کی حیثیت سے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کا اطلاق حرائر اور شریف زادیوں پر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ ان دونوں ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں پہلے معنی ہیں، بعد والی آیت میں دوسرے مفہوم میں۔

'سفح' اور 'مسافحت' کا مفہوم

سفح کے لغوی معنی بہانے کے ہیں۔ اسی سے سافحت ہے جس کے معنی عیاشی اور بدکاری کے ہیں اس لیے کہ اس میں بھی عورت اور مرد دونوں محض تلذذ کو مقصد قرار دے کر اپنا مادۂ منی برباد کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سابق الذکر محرمات کی فہرست میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جو کسی کی قید نکاح میں ہوں اس لیے کہ کوئی عورت بیک وقت دو مردوں کی زوجیت میں نہیں ہو سکتی۔ صرف ملک یمین اس سے مستثنٰی ہے، اس کا کسی کی ملکیت میں آ جانا ہی اس کے سابق نکاح کو، جو دار الحرب میں ہوا، کالعدم قرار دے دیتا ہے۔

نکاح کے لیے دو بنیادی شرطیں

ان عورتوں کے ماسوا عورتوں سے نکاح جائز ہے مگر اس کے ساتھ دو شرطیں ہیں اور یہ دونوں شرطیں بیک وقت مطلوب ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح مال یعنی مہر کے ساتھ ہو۔ دوسری یہ کہ اس نکاح سے مقصود عورت کو اپنی حمایت و حفاظت میں لینا ہو نہ کہ وقتی طور پر شہوت رانی کر کے محض ہیجان نفس کو تسکین دے لینا۔

مہر کی شرط کا اصلی مقصد

مال اور مہر کی شرط لگانے سے ایک مقصد تو یہ ہے کہ عورتوں کے معاملے میں اکراہ یا توارث کے ان امکانات کا بالکل سدباب ہو جائے جن کی طرف اوپر اشارہ گزرا۔ ہر چند اس کا بہت کچھ سدباب رحمی رشتوں کو حرام قرار دینے سے بھی ہو گیا تھا لیکن اس شرط نے اس کو اور بھی مسدود کر دیا۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ نکاح کے معاملے کو ایک سنجیدہ معاہدے کی حیثیت حاصل ہو جائے، اس کو

لڑکوں کا کھیل نہ بنایا جا سکے۔ جس معاملے کے ساتھ ادائے مال کی شرط لگی ہو اور اس ادائے مال کی حیثیت محض ایک تبرع اور احسان کی نہ ہو بلکہ ایک فریضہ کی ہو، یہاں تک کہ اگر وہ مذکور نہ بھی ہو جب بھی لازماً مضمر سمجھا جائے اور عورت کی حیثیت عرفی کے اعتبار سے اس کی ادائیگی واجب قرار پائے، شرعاً و عرفاً ایک اہم اور سنجیدہ معاملہ بن جاتا ہے۔ کوئی بھی ذی ہوش آدمی ایسے معاہدے میں ایک پارٹی بننے کی جرأت نہ کرے گا جب تک وہ سو بار سوچ کر اس میں شرکت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ کرے —— ان مصالح سے مہر کی شرط ضروری ہوئی۔ جن لوگوں کی نظر ان مصالح کی طرف نہیں گئی وہ سمجھتے ہیں کہ اس شرط نے عورت کو ایک خریدنی و فروختنی شے کے درجے تک گرا دیا ہے۔ یہ خیال محض ناسمجھی کا نتیجہ ہے۔ یہ شرط تو ایک آگاہی ہے کہ جو بھی عورت کے حرم میں قدم رکھنا چاہے وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر قدم رکھے۔ نکاح و طلاق کے معاملے میں کسی مذاق کی گنجائش نہیں ہے، یہاں مذاق بھی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ ؏

ہشدار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

احصان کی شرط متعہ کی نفی ہے

'احصان' کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ نکاح کو 'سفاح' سے ممیز کر دیا جائے۔ نکاح کا اصل مقصد اسی شکل میں پورا ہوتا ہے جب اس کے ساتھ 'احصان' پایا جائے۔ یعنی ایک مرد ایک عورت کو سنجیدہ ارادے اور زندگی بھر کے سنجوگ کے عزم کے ساتھ اپنی حفاظت و حمایت میں لے اور عورت اسی شعور و ارادے کے ساتھ اس کے حصن حمایت میں داخل ہو۔ اس احصان کے بغیر عورت اور مرد کے تعلق سے وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا جو قدرت نے اس سے پورا کرانا چاہا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے ایک وقتی اور عارضی تعلق پیدا کرتا ہے تو گو اس کے لیے اس نے نکاح کی رسم بھی پوری کی ہو اور اس کو مال بھی دیا ہو لیکن یہ احصان نہیں ہوا۔ یہ محض پیشاب کرنے کے لیے ایک پیشاب خانہ تلاش کیا گیا ہے جس سے مقصود محض وقتی طور پر مثانے کے بوجھ کو ہلکا کر لینا ہے۔ قرآن نے یہ شرط لگا کر متعہ کے اس مکروہ رواج کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جو جاہلیت میں رائج تھا۔

آگے فرمایا کہ مقرر شدہ مہر ایک فریضہ کی حیثیت سے ادا کیا جائے۔ البتہ مہر کے مقرر کرنے کے بعد میاں بیوی باہمی رضامندی سے اگر اس میں کوئی کمی بیشی کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آخر میں علیم و حکیم کی صفات کا حوالہ اس قانون کی عظمت اور حکمت کے اظہار کے لیے ہے کہ جس نے یہ قانون اتارا ہے وہ علیم و حکیم ہے اس وجہ سے اس کی ہر بات بے خطا علم اور انتہاء حکمت پر مبنی ہے۔ دوسروں کے لیے نہ یہ جائز ہے کہ اس کی خلاف ورزی کریں، نہ یہ جائز ہے کہ اس میں ترمیم و اصلاح کی کوشش کریں۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۵)

'طول' کے معنی قدرت، غنیٰ اور فضل کے ہیں۔

'وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ' یعنی عزو شرف کی اصلی بنیاد ایمان پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک عورت لونڈی ہوتے ہوئے اپنے ایمان کے اعتبار سے بڑے بڑے شریف زادوں اور شریف زادیوں پر فوقیت حاصل کرے۔ اس وجہ سے محض اس خیال کی بنا پر کہ ایک عورت لونڈی ہے اس کے اندر شرف کے امکان کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اور ایمان ایک ایسی چیز ہے جس کے ناپنے اور تولنے کا حقیقی پیمانہ اللہ ہی کے پاس ہے، دوسرے اس کا صحیح صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔

'بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لونڈی اور غلام ہونا تو ایک حالت عارضی ہے۔ نسل کے اعتبار سے تو جتنے غلام اور آزاد اور جتنی بانویں اور باندیاں ہیں سب ایک ہی آدم اور ایک ہی حوا کی نسل سے ہیں۔

لفظ 'فاحشۃ' کی تنکیر

'فاحشۃ' سے مراد زنا ہے۔ اس کی تنکیر اظہار کراہت و نفرت کے لیے ہے جیسا کہ اسی سورہ کی آیت ۴۷ میں 'نطمس وجوھا' آیا ہے۔ وہاں ہم اس نکرہ کی وضاحت کریں گے۔ 'عنت' کے معنی زحمت و مشقت کے ہیں لیکن اس کا استعمال ایسی زحمتوں اور مشقتوں کے لیے ہوتا ہے جو آدمی کے لیے وجہ ابتلا اور مزلۂ قدم بن جائیں۔

دوسرے مالکوں کی لونڈیوں سے نکاح کی اجازت احتیاط کے ساتھ

آیت کا مدعا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شریف زادی سے نکاح کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ کسی مسلمان لونڈی سے نکاح کر لے۔ عزت و شرافت کی اصل بنیاد ایمان ہے اور ایمان کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے۔ جہاں تک جنس و نسل کا تعلق ہے، اس اعتبار سے سب ایک ہی ہیں اس لیے کہ سب ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ پس لونڈی سے نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ یہ شرط ہے کہ یہ نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے ہو اور ان لونڈیوں کو دستور کے مطابق مہر دیا جائے۔ نیز یہ لونڈیاں بھی قید احصان کی پابند ہو کر رہیں محض وقتی تلذذ اور یاری آشنائی پیش نظر نہ ہو۔ اس قید احصان میں آجانے کے بعد اگر یہ زنا کی مرتکب ہوں تو سورۂ نور میں جو سزا شریف زادیوں کے لیے بیان ہوئی ہے یعنی سو کوڑے، اس کی نصف سزا ان کو بھی دی جائے گی۔

آخر میں فرمایا کہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے کی یہ اجازت ان لوگوں کے لیے ہے جنھیں یہ اندیشہ ہو کہ اگر انھوں نے کہیں نکاح نہ کیا تو وہ مبتلائے معصیت ہو جائیں گے۔ جو لوگ اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتے ہوں ان کے لیے صبر ہی بہتر ہے۔

اسلامی معاشرہ میں لونڈیوں اور غلاموں کا درجہ

یہ خیال ہم اس سے پہلے کئی مقامات میں ظاہر کر چکے ہیں کہ غلام اور لونڈیاں اسلام کے اپنے نظام

معاشرت کا کوئی جزو نہیں ہیں بلکہ یہ چیز اس وقت کے بین الاقوامی حالات اور اسیران جنگ کے مسئلے کے ایک حل کی حیثیت سے پہلے سے موجود تھی جس کو اسلام نے گوارا کر لیا۔ اسلام اس کو اگر یک طرفہ طور پر اپنے ہاں ختم کر دیتا تو اس سے مسلمانوں کے معاشرے کے اندر بھی نہایت سخت قسم کی افراتفری پھیل جانے کا اندیشہ تھا اور دشمن قومیں بھی اس سے غلط قسم کا فائدہ اٹھا سکتی تھیں۔ اس کو مکمل طور پر ختم کر دینے کے لیے ضروری تھا کہ پہلے بین الاقوامی سطح پر لوگوں کے اندر انسانی مساوات کا شعور بیدار ہو۔ چنانچہ اسلام نے خود اپنے نظام میں ایسے قواعد و ضوابط رکھ دیے جن سے اس پست حال طبقہ سے متعلق لوگوں کے اندر انسانی مساوات کا شعور بھی بیدار ہو اور بالتدریج یہ ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے اتنا بلند ہو جائے کہ اسلامی معاشرے میں اپنا صحیح مقام حاصل کرے۔

غلاموں لونڈیوں کا درجہ اونچا کرنے کے بعض احکام

مکاتب اور ام الولد وغیرہ کے مسئلے پر ہم دوسرے مقام پر بحث کرتے ہوئے لکھ چکے ہیں کہ اس طرح اسلام نے تمام ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کی ایک نہایت کشادہ راہ کھول دی تھی۔ اب اس آیت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس میں اس پست حال طبقہ کے بلند کرنے کے لیے نہایت اہم حقائق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو یاد دلایا ہے کہ عزت و شرف کی بنیاد ایمان و اسلام پر ہے اور یہ چیز ایسی ہے کہ جس طرح ایک آزاد اس سے بہرہ ور ہو سکتا ہے اسی طرح ایک غلام بھی ہو سکتا ہے۔ رہا نسل و نسب کا معاملہ تو اس اعتبار سے آزاد و غلام بلکہ تمام انسان برابر ہیں۔ پھر یہ حقیر کیوں سمجھے جائیں؟

دوسری چیز یہ ہے کہ لونڈیوں کے لیے بھی مہر اور احصان کی وہی شرطیں مقرر ہوئیں جو آزاد عورتوں کے لیے تھیں تاکہ سوسائٹی کے اندر ان کا معیار اونچا ہو۔

ارتکاب زنا کی صورت میں ان کے لیے بھی سزا مقرر ہوئی تاکہ بالتدریج ان کا اخلاقی معیار سوسائٹی کے معیار پر آجائے۔ سزا میں ان کے لیے آزاد عورتوں کے بالمقابل جو رعایت رکھی گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو وہ تحفظ حاصل نہیں تھا جو قدرتی طور پر خاندانی عورتوں کو حاصل تھا۔

دوسرے مالکوں کی لونڈیوں کے ساتھ مسلمانوں کو نکاح کی اجازت دی گئی اور اس سے بھی مقصود لونڈیوں کے معاشرتی معیار کو اونچا کرنا تھا لیکن چونکہ اس صورت میں حقوق ملکیت اور حقوق نکاح میں تصادم کے اندیشے تھے اس وجہ سے اس طرح کے نکاح میں احتیاط کی تاکید فرمائی گئی۔

رجم کی سزا کا ماخذ

اس آیت کے تعلق سے ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیت سورہ نور کی بیان کردہ حد زنا کو ہر قسم کے زانیوں کے لیے، شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، عام کر دیتی ہے تو زنا کے لیے رجم کی سزا کا ماخذ کیا ہے؟ اس سوال پر ان شاء اللہ ہم سورۂ مائدہ اور سورۂ نور میں بحث کریں گے۔

۱۲۔ آگے کا مضمون ـــــــ آیات ۲۶-۲۸

معاشرتی اصلاح سے متعلق احکام وہدایات کے بیچ میں یہ تین آیتیں بطور تنبیہ و تذکیر آگئی ہیں جن سے مقصود ایک طرف تو مسلمانوں کو ان احکام کی عظیم قدر و قیمت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ تمہاری طرف تمام انبیاء وصالحین کی وراثت منتقل کر رہا ہے تو اس کی سچے دل سے قدر کرو اور رحمت الٰہی کے مستحق بنو، دوسری طرف اس طوفان مخالفت سے آگاہ کرنا ہے جو ان اصلاحات کی مخالفت میں اس مفاد پرست طبقہ کی طرف سے اٹھ رہا تھا جو یتیموں، بیواؤں، کمزوروں اور غلاموں کے حقوق پر غاصبانہ تسلط جمائے بیٹھا تھا اور کسی طرح بھی اپنے اس تسلط سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔

آیات ۲۶-۲۸

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾

ترجمۂ آیات ۲۶-۲۸

اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم پر اپنی آیتیں واضح کر دے اور تمہیں ان لوگوں کے طریقوں کی ہدایت بخشے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں اور تم پر رحمت کی نگاہ کرے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۲۶

اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کی نگاہ کرے اور وہ لوگ جو اپنی شہوات کی پیروی کر رہے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ تم راہ حق سے بالکل ہی بھٹک کر رہ جاؤ۔ ۲۷

اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ کو ہلکا کرے اور انسان کمزور بنایا گیا ہے۔ ۲۸

۱۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

لفظ ارادہ کے دو مفہوم

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ اور وَاللّٰهُ يُرِيدُ اَنْ يَّتُوبَ عَلَيْكُمْ کے اسلوب پر غور کیجیے تو دونوں میں ایک نمایاں فرق نظر آئے گا کہ ایک جگہ یُرید کے بعد 'لِ' ہے اور دوسری جگہ 'اَن' یہ فرق بے فائدہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ان دونوں اسلوبوں کے تتبع سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ 'ارادہ' کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو قطعی فیصلہ اور حتمی ارادہ کے معنی میں، دوسرے چاہنے کے معنی میں جب پہلے معنی مراد ہوتے ہیں تو اس کے بعد 'لِ' آتا ہے اور جب مجرد چاہنے کے معنی میں آتا ہے تو اس کے بعد 'اَن' آتا ہے مثلاً۔

اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ ۳۳۔ احزاب	اللہ کا ارادہ تو بس یہ ہے، اے اہل بیت نبی کہ تم سے ناپاکی کو دور کرے۔
يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ۔ ۶ مائدہ	ارادہ الٰہی یہ ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دے۔
اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ ۵۵۔ توبہ	اللہ تو بس یہ ارادہ کیے ہوئے ہے کہ اس کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے۔

اس اسلوب کی وضاحت کے بعد زیر بحث آیات کے مطلب پر غور فرمایئے۔ پہلے یہ واضح فرمایا کہ اللہ نے اپنے علم و حکمت سے تمھیں اس مقصد کے لیے منتخب فرمایا ہے کہ تمھارے لیے اپنی آیتیں اور اپنے احکام و ہدایات واضح فرمائے اور انبیاء و صالحین کے ذریعے سے ایمان و عمل صالح کی جو راہیں دنیا کے لیے کھولی گئی تھیں اور جو اب گم کر دی گئی تھیں ان کی تمھیں از سر نو ہدایت بخشے تاکہ تم اللہ کی طرف رجوع کرو اور اللہ تم پر رحمت کی نظر فرمائے۔ اس بات کو ایک فیصلہ الٰہی کی حیثیت سے ظاہر فرمایا ہے اس لیے کہ آخری بعثت کے ذریعہ سے ایک ایسی امت کا برپا کرنا جو پورے دین و شریعت کی حامل اور تمام اولین و آخرین کی وارث ہو پہلے سے اللہ تعالیٰ کی سکیم میں طے تھا اور سابق انبیاء نے اس کی خبر بھی دے دی تھی اور اس کا برپا ہونا خدا کے علم و حکمت کا مقتضیٰ بھی تھا اس لیے کہ وہ علیم و حکیم اس بات کو پسند نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق کو یوں ہی گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے، اس کی ہدایت کے لیے کوئی انتظام نہ فرمائے۔

اس بات کو ایک حتمی فیصلہ کی حیثیت سے ظاہر کرنے کا مقصد ایک تو مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہے دوسرے اسلام کے ان معاندین و مخالفین کی ہمت شکنی جو ان معاشرتی اصلاحات کی وجہ سے جو اس سورہ میں مذکور ہوئی ہیں، جھاڑ کے کانٹے کی طرح مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ معاشرتی اصلاحات کو عام طور

مفاد پرست طبقہ ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتا۔ اس وجہ سے یہود و نصاریٰ، مشرکین سب میں ان اصلاحات سے ایک آگ سی لگ گئی جنھوں نے بھی دیکھا کہ ان کی زد ان کی بے لگام آزادیوں اور بے قید شہوت پرستیوں پر پڑ رہی ہے وہ اس ارادے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے کہ ان تمام اصلاحات کو ناکام کر کے خلق خدا کو پھر اسی تاریکی کے گڑھے میں دھکیل دیں جس سے نجات دینے کے لیے اسلام نے یہ روشنی دکھائی تھی۔ اسی طرح جن لوگوں نے اپنے اوپر اپنی خود ساختہ شریعتوں اور خانہ ساز رسموں اور رواجوں کے بوجھ لاد رکھے تھے انھوں نے جب دیکھا کہ یہ بوجھ لوگوں کے سر سے اتر رہا ہے اور اصر و اغلال کی غیر فطری بیڑیاں کٹ رہی ہیں تو چیخنے لگے کہ اسلاف کا سارا سرمایہ معرضِ خطر میں ہے۔ قرآن نے ان سب کے جواب میں مسلمانوں کو بتایا کہ تم ان مخالفوں کی ہفوات کی پروا نہ کرو۔ انبیائے سابقین اور اسلاف صالحین کی اصلی وراثت یہی ہے جو تمھاری طرف منتقل ہو رہی ہے۔ خدا نے تمھیں رحمت سے نوازنا چاہا ہے لیکن یہ اشرار و مفسدین یہ چاہتے ہیں کہ تمھیں اس رحمت سے محروم کر دیں۔ آخری آیت میں یہ اشارہ بھی فرما دیا کہ ان اصلاحات سے جو بیڑیاں کاٹی جا رہی ہیں وہ اس لیے کاٹی جا رہی ہیں کہ یہ غیر فطری اور خود ساختہ تھیں۔ قدرت نے انسان کو جس فطرت سلیم پر پیدا کیا ہے وہ فطرت ان غیر فطری بوجھوں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ آگے اسی سورہ میں آیت ۴۴ سے ان تمام مخالفتوں کی تفصیل آ رہی ہے۔

۱۴۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۲۹-۳۳

اس ضمنی تذکیر و تنبیہ کے بعد اصلاح معاشرہ ہی سے متعلق احکام و ہدایات کا مضمون پھر شروع ہو گیا اور چند ایسی ہدایات دی گئی ہیں جن سے پچھلی اصلاحات کی تائید و توثیق بھی ہو رہی ہے اور ان اصلاحات کا دائرہ وسیع بھی ہو رہا ہے۔ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲۹-۳۳

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأْكُلُوٓاْ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوٓاْ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَٰنًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ إِن تَجْتَنِبُواْ كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْاْ

مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾ وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۳۳﴾ ع

ترجمۂ آیات ۲۹-۳۳

اے ایمان والو، اپنے مال آپس میں باطل ذریعے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی مال باہمی رضامندانہ تجارت کی راہ سے حاصل ہو جائے اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، اللہ تم پر بڑا مہربان ہے اور جو لوگ تعدی اور ظلم کی راہ سے ایسا کریں گے ہم ان کو جلد ایک سخت آگ میں جھونک دیں گے اور یہ اللہ کے لیے بہت ہی آسان ہے۔ تم جن باتوں سے روکے جا رہے ہو اگر ان کے بڑے گناہوں سے تم بچتے رہے تو ہم تم سے تمھاری چھوٹی برائیاں جھاڑ دیں گے اور تمھیں ایک عزت کے مقام میں داخل کریں گے۔ ۲۹-۳۱

جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ مردوں کو حصہ ملے گا اس میں سے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کو حصہ ملے گا اس میں سے جو انھوں نے کمایا اور اللہ سے اس کے فضل میں سے حصہ مانگو۔ بے شک اللہ ہر چیز سے باخبر ہے اور ہم نے والدین اور قرابت مندوں کے چھوڑے ہوئے میں سے ہر ایک کے لیے وارث ٹھہرا دیے ہیں اور جن سے تم نے کوئی پیمان باندھ رکھا ہو تو ان

کو ان کا حصہ دو۔ بے شک اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ ۳۲-۳۳

۱۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (۲۹)

حرمت مال اور حرمت جان میں نہایت گہرا رشتہ ہے۔

اس آیت میں باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانے اور قتل نفس کو حرام ٹھہرایا ہے اور ان دونوں حرمتوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا ہے۔ ان کو ایک ساتھ جمع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ان دونوں میں بڑا گہرا رشتہ ہے۔ مال کی حرص اس کے حصول کے جائز و ناجائز طریقوں کی تمیز اٹھا دیتی ہے اور پھر یہ بیماری لوگوں کو اس طرح اندھا کر دیتی ہے کہ اس کے لیے قتل و خون تک نوبت آجاتی ہے۔ سماجی فسادات اور خوں ریزی کے اسباب کا سراغ لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ حرص مال کو ان میں سب سے زیادہ دخل ہے۔ اسلام نے ان دونوں چیزوں کے اس گہرے باہمی رشتے کی وجہ سے ایک دوسرے کے مال اور ایک دوسرے کی جان دونوں چیزوں کی حرمت کی یکساں تاکید فرمائی ہے حرمة ماله كحرمة دمه (مومن کا مال بھی اسی طرح محترم ہے جس طرح اس کی جان محترم ہے)۔

کسی معاملت کے لیے فریقین کی حقیقی رضامندی شرط ہے

باطل طریقہ سے مراد لین دین، کاروبار اور تجارت کے وہ طریقے ہیں جن میں معاملت کے دونوں فریقوں کی حقیقی رضامندی یکساں طور پر نہیں پائی جاتی بلکہ اس میں ایک کا مفاد محفوظ ہوتا ہے، دوسرا ضرر یا غرر کا ہدف بنتا ہے۔ قرآن نے اس مفہوم کی طرف خود اشارہ فرما دیا ہے۔ چنانچہ باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانے کی نہی کے بعد یہ جو فرمایا ہے کہ 'اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ' یہ مثبت پہلو سے اسی اجمال کی وضاحت ہے جو پہلے ٹکڑے میں پایا جاتا ہے۔ اس ٹکڑے نے واضح کر دیا کہ معاملت اور لین دین کی بنیاد جب حقیقی باہمی رضامندی پر ہو تب ہی اس سے جو نافع ہوتا ہے وہ جائز ہوتا ہے اور اگر اس میں کوئی دھوکا پایا جاتا ہے یا اس میں ایک فریق کی بے بسی اور مجبوری کو دخل ہے تو اگرچہ وہ بظاہر اس پر راضی بھی ہو لیکن یہ 'اکل اموال بالباطل' کے حکم میں داخل ہے۔ اسی بنا پر معاملت اور تجارت کی وہ تمام شکلیں اسلام میں ناجائز قرار پائیں جن میں ضرر یا غرر کا شائبہ ہے۔ ربٰوا اس کاروبار کی ایک قبیح ترین شکل ہے۔ بقرہ کی تفسیر میں ربٰوا اور تجارت کے فرق پر ہم جو بحث لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

'لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ' کا مفہوم

'وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ' بالکل 'لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ' کا ہم وزن ٹکڑا ہے یعنی نہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ہڑپ کرو نہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اس کے معنی خودکشی کے لینے کا نہ

کوئی موقع و محل بیان ہے نہ ان الفاظ میں اس مفہوم کی کوئی گنجائش ہے۔ اگر خودکشی کے مفہوم کو ادا کرنا چاہیں گے تو اس کے لیے اسلوب بالکل مختلف ہوگا۔ 'اَنْفُسَكُمْ' کا لفظ اس حقیقت کے اظہار کے لیے ہے کہ جو شخص معاشرہ کے اندر کسی قتل کا مرتکب ہوتا ہے وہ اپنوں ہی کے قتل کا مرتکب ہوتا ہے اس لیے کہ معاشرہ کے تمام افراد اپنے ہی بھائی بند ہیں 'اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ' اور 'اَلْمُسْلِمُوْنَ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ' کے اصول پر ایک کا قاتل سب کا قاتل ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے ایک کے قاتل کو سب کا قاتل قرار دیا ہے۔

خدا کی صفت رحمت کے تقاضے

'اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا' درحقیقت علت بیان ہوئی ہے ان ممانعتوں کی جن کا ذکر اوپر ہوا۔ یعنی جب تمہارا رب تمہارے اوپر مہربان اور رحیم ہے تو وہ کس طرح یہ پسند کر سکتا ہے کہ تم ایک دوسرے کے مال ہڑپ کرو اور ایک دوسرے کو قتل کرو۔ رؤف و رحیم رب تو یہی چاہے گا کہ تم آپس میں 'رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ' بن کر رہو۔ پھر یہیں سے یہ بات بھی نکلی کہ اگر اس کے برخلاف لوگ آپس میں ظلم و عدوان کے مرتکب ہوں تو یہ عین اس کی رافت و رحمت ہی کا تقاضا ہے کہ وہ عدل و انصاف کا ایک ایسا دن لائے جس میں ان لوگوں کو کیفر کردار کو پہنچائے جو اس کے مرتکب ہوئے ہوں۔ چنانچہ آگے والی آیت اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۔ ۳۰

'ذٰلِكَ' کا اشارہ ان دونوں ہی چیزوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر والی آیت میں ہوا ہے۔

عدوان اور ظلم کا خاص مفہوم

'عدوان' اور 'ظلم' کے الفاظ جب ایک ساتھ آئیں تو جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں لکھ چکے ہیں، یہ گناہ کی دو الگ الگ صورتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص زور و زبردستی سے دوسرے کے جان یا مال پر دست درازی کرے، دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی شخص دھاندلی سے کسی کا حق واجب ادا نہ کرے بلکہ اس کو دبا بیٹھے۔ پہلی صورت عدوان کی ہے دوسری ظلم کی۔ اگر یہ الگ الگ آئیں تو ایک دوسرے کے مضمون پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

'نَارًا' کا لفظ نکرہ تفخیم کے لیے استعمال ہوا ہے یعنی ایسے لوگوں کو ایک سخت بھڑکتی ہوئی آگ میں ہم ڈالیں گے۔

ایک لطیف نکتہ

'وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا' (یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے) ایک مخفی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ خدا کو مانتے ہیں لیکن خدا کی صفات عدل و رحم کا صحیح تصور نہیں رکھتے وہ اپنے آپ کو الاؤنس دینے میں بڑے فیاض ہوتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے جرائم کرتے چلے جاتے ہیں لیکن یہود کی طرح توقع یہی رکھتے ہیں کہ خدا ان پر بڑا مہربان ہے اس لیے سب بخش دے گا۔ قرآن نے یہود کا قول 'سَيُغْفَرُ لَنَا' جو نقل کیا ہے وہ اسی ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے۔ درحقیقت اس قماش کے لوگ شہ حاصل

کرتے ہیں اس ڈھیل اور مہلت سے جو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق عطا فرماتا ہے لیکن ان کی حیلہ جو طبیعت آڑ ڈھونڈتی ہے خدا کی رحمت کی۔ حالانکہ خدا رحیم ہے تو آخر وہ ظالموں پر کیوں رحم فرمائے گا۔ اُس کی رحمت کے اصلی مستحق تو وہ مظلوم ہیں جو ان کے ہاتھوں زندگی بھر ستائے گئے اور آہ بھی نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی ذہنیت رکھنے والوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ جو لوگ ظلم و عدوان کی زندگی بسر کر رہے ہیں ان کو جہنم میں جھونک دینا خدائے رحیم پر ذرا بھی شاق نہیں گزرے گا اس لیے کہ وہ جس طرح رحیم ہے اسی طرح عادل بھی ہے اور یہ عدل بھی اس کی رحمت ہی کا تقاضا ہے۔

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ۔ ۳۱

کبائر اور 'صغائر' سے مراد

'سیّئات' کا لفظ چونکہ یہاں کبائر کے مقابل میں آیا ہے اس وجہ سے اس سے مراد صغائر یعنی چھوٹے گناہ ہیں۔ جس طرح نیکیاں، جن کا حکم دیا گیا ہے، بڑی بھی ہیں اور چھوٹی بھی، اسی طرح بدیاں، جن سے روکا گیا ہے، چھوٹی بھی ہیں بڑی بھی۔ یہ چھوٹا اور بڑا ہونا اگرچہ حالات اور نسبتوں کے بدلنے سے تبدیل بھی ہوتا رہتا ہے اس وجہ سے ان کی منطقی حد بندی ذرا مشکل ہے تاہم یہ ایسی چیز نہیں جس کا سمجھنا دشوار ہو۔ جس طرح ہجرت اور جہاد بھی نیکی ہے اور راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا بھی نیکی ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے اور اس فرق کو ہر شخص سمجھتا ہے، اسی طرح کسی کا گھر لوٹ لینا بھی برائی ہے اور راستے میں کوئی گندی چیز پھینک دینا اور کسی غلط جگہ تھوک دینا بھی برائی ہے لیکن دونوں برائیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اس فرق کو بھی ہر شخص سمجھتا ہے۔ درحقیقت نیکیوں اور بدیوں دونوں کی بڑائی چھٹائی کے ناپنے کے لیے پیمانہ ان کے اثرات و نتائج ہیں۔ اگر ہماری نگاہ دور رس ہو اور ہم خواہشات نفس کی جانبداری سے بالاتر ہو کر حقائق پر غور کریں تو اس کے سمجھنے میں کوئی التباس پیش نہیں آسکتا۔ لیکن بسا اوقات ہوتا یہ ہے کہ عقل پر خواہشاتِ نفس کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ پربت رائی بن جاتا ہے اور رائی پربت۔ شریعت نے اس التباس سے بچنے کے لیے حرام بھی واضح کر دیے اور حلال بھی۔ لیکن ان کے درمیان کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کے بارے میں التباس پیش آسکتا ہے۔ ایسی چیزوں کے باب میں تقویٰ کا تقاضا تو یہی ہے کہ آدمی احتیاط کے پہلو کو اختیار کرے لیکن اگر بشری کمزوری سے کوئی غلطی صادر ہو گئی تو حدودِ حرام و حلال کے ملحوظ رکھنے والے کے دل پر اللہ تعالیٰ اس کا میل جمنے نہیں دیتا۔

جنت کی راہ

اس آیت میں یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ خدائی گرفت سے بچنے اور اس کی جنت میں داخل ہونے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ اپنے آپ کو بڑی فراخ دلی سے الاؤنس دیتے چلو بلکہ اس کا راستہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے اس نے روکا ہے ان کے کبائر سے پرہیز رکھو۔ اگر کبائر سے پرہیز رکھو گے تو صغائر کو وہ اپنے